رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۲۶۸

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۲۹

THE AL HAKAM, WEEKLY, QADIAN, PUNJAB.

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد (الہام مسیح موعود علیہ السلام)

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ

سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سب سے پہلا مشہور و معروف اخبار جس کو
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ایک
بازو قرار دیا

الحکم

دور جدید

بیا در بزم مستاں تا ببینی عالمے دیگر
بہشتے دیگر و ابلیس دیگر آدمے دیگر

چندہ
والیان ریاست سے ۱۰ر
رؤسا و امراء سے ۵ر
معاونین سے ۴ر
عوام سے ۵ر
ممالک غیر سے ۱۲ر

مدینۃ المسیح

قادیان دارالامان سے
ہر انگریزی ماہ کی ۷ر ۱۴ر
۲۱ر ۲۸ر تاریخ کو
خدا کے فضل
اور
رحم کے ساتھ
شائع ہوتا ہے

مدیر اعلیٰ
شیخ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی

چہ گویم با تو گر آئی چہ در قادیاں بینی
دوا بینی شفا بینی غرض دارالاماں بینی

مدیر مسئول
شیخ محمود احمد عرفانی مجاہد مصری

جلد ۳۷ | قادیان ۔ ۷ر اکتوبر ۱۹۳۴ء مطابق ۲۸ر جمادی الآخر ۱۳۵۳ھ بروز یکشنبہ | نمبر ۳۶

دارالامان کا ہفتہ

(۱) حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی طبیعت اپنے سفر میں خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے بالکل اچھی ہے الحمد للہ علیٰ ذالک

(۲) خانصاحب مولوی فرزند علی خان صاحب شملہ سے تشریف لے آئے ہیں اور باقاعدہ نظارت امور عامہ کا کام شروع کر دیا ہے

(۳) یوم التبلیغ پورے زور سے منایا گیا۔ اور دور دور کے دیہات تک وفود گئے اور سارا دن خیر و خوبی سے کام کر کے واپس آئے۔ اس دن مرکزی دفاتر میں تعطیل منائی گئی اور دکانداروں نے ۵ بجے تک دکانیں کھول کر بند کر دیں۔ شہر میں تبلیغ اور حفاظت کے لئے اڑھائی صد آدمی رکھے گئے ۔ اس دن احراریوں نے بھی چند آدمی بلا کر ہمارے سلسلہ کے خلاف جو کچھ کہنا تھا مسجد ارائیاں میں کہا۔

جلسے لوکل انجمن کا انتظام محلہ وار تقسیم ہو جانے سے کام میں مسابقت کی روح پیدا ہو گئی ہے۔ ہر محلے میں جلسے ہوتے ہیں محلہ دارالبرکات میں اس ہفتہ مولوی نذیر احمد صاحب مبلغ افریقہ محلہ دارالرحمت جناب میر محمد اسحٰق صاحب مسجد اقصیٰ میں مولوی جلال الدین صاحب شمس نے اور دارالفضل میں مولوی ابراہیم صاحب بقا پوری نے تقریر کی۔

تبلیغی دعوت محلہ دارالبرکات کے ایک کونے پر کچھ گھر غیر احمدیوں کے ہیں۔ ان سب کو تبلیغ کرنے کے لئے ان کی دعوت کی گئی۔ کھانا کھانے سے قبل حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی نے ایک لطیف تقریر کی

درخواست دعا حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اپنے سید و مولیٰ کی خدمت میں ہیں ان کی غیر حاضری میں ان کے ہاں بچی پیدا ہوئی۔ آپکی اہلیہ صاحبہ کی طبیعت ناساز ہے۔ وہ پہلے سے بھی کمزور ہیں۔ لہٰذا احباب ان کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحت کامل دے۔ آمین

الحکم کے اجراء پر حضرت خلیفۃ المسیح والمہدی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا اظہار مسرت بذریعہ مکتوب مبارک

مکرمی شیخ صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے یہ معلوم کر کے بیحد خوشی ہوئی کہ آپ الحکم کو پھر جاری کرنے لگے ہیں اللہ تعالیٰ برکت دے اور ارادہ کی تکمیل کے سامان پیدا کرے (آمین ثم آمین) الحکم سلسلہ کا سب سے پہلا اخبار ہے اور جو موقع خدمت کا حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں اسے اور بدر کو ملا ہے وہ کروڑوں روپیہ صرف کر کے بھی اور کسی اخبار کو نہیں مل سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ الحکم ظاہری صورت میں زندہ رہے یا نہ رہے لیکن اس کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔ سلسلہ کا کوئی مہتم بالشان کام اس کا ذکر کئے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تاریخ سلسلہ کا حامل ہے لیکن دل بھی چاہتا ہے کہ الحکم جس کا نام ہی بتا رہا ہے کہ ابتدائے ایام سے سلسلہ کے افراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کیا درجہ سمجھتے تھے اپنی ظاہری صورت میں بھی زندہ رہے اللہ تعالیٰ آپکو اور آپکی نسل کو اس کی خدمت کی توفیق دیتا رہے اللّٰھم آمین

خاکسار مرزا محمود احمد

انتقال پرملال

نہایت رنج اور افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ گذشتہ تین ہفتوں سے کسی نہ کسی جان کی رحلت کی خبر اخبار میں شائع کرنی پڑتی ہیں چنانچہ اس ہفتے حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب کی بڑی صاحبزادی سلیمہ بیگم جو جدے میں میاں محمد سعید یوسف صاحب کو بیاہی ہوئی تھیں۔ ایک لمبی بیماری کے بعد ۳۰ر ستمبر کو ۵ بجے رات فوت ہو گئیں

انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ نے چار چھوٹے چھوٹے بچے اپنی نشانی چھوڑے ہیں۔ بچوں کو دیکھ کر دل پر سخت صدمہ ہوتا ہے۔ میاں محمد سعید یوسف صاحب جدے میں مقیم ہیں۔ وہاں ان کو بذریعہ تار اطلاع دی گئی۔ مرحومہ نہایت نیک اور پاک خاتون تھیں۔ صدقہ خیرات کی طرف بھی بڑی توجہ رہتی تھی۔ مرحومہ نے بیماری میں بڑی تکلیف اٹھائی مگر صبر سے برداشت کرتی رہیں۔ مولانا نے اس حادثہ پر رضا بالقضا میں حق نمونہ دکھایا۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے ۔ اس صدمہ میں ہمکو مولانا اور ان کے خاندان سیٹھ ابوبکر یوسف صاحب اور میاں محمد سعید یوسف صاحب کے خاندان سے پوری ہمدردی ہے۔ احباب ہر جگہ دعائے خیر کریں۔

مرحومہ کا جنازہ خود مولانا نے جماعت کی بھاری تعداد کے ساتھ پڑھا اور مقبرہ بہشتی میں دفن ہوئیں

مشترکہ پلیٹ فارم آجکل قادیان میں گیانی ہری سنگھ صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ قادیان جو ایک بہت بڑا مذہبی مرکز ہے۔ یہاں ایک ایسا مشترکہ پلیٹ فارم بنایا جائے۔ جہاں ہر مذہب کے ماننے والے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں اور کوئی اختلافی بات نہ کریں۔ چونکہ یہ بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے ہی لکھ گئے ہیں۔ اس لئے وہ ہمارے جس لیڈر سے ملے ہیں ان کو ان کی طرف سے حوصلہ افزا جواب ملا ہے۔

ہم بھی اس تحریک کو ویلکم کہتے ہیں۔

سیرتِ صافی کا ایک ورق

حضرت مخدوم الملت مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ایک گوہر درخشاں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انکو ایک **قلب صافی** عطا فرمایا تھا۔ انہیں خدا تعالیٰ نے شاعرانہ فطرت بھی دی تھی لیکن انہوں نے اس جذبہ کو عام شعرا کی طرح کبھی استعمال نہ کیا۔ وہ گل و بلبل کے قصوں میں کبھی اسیر نہ ہوئے۔ کبھی اس پاک جذبہ کا ظہور ہوا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن حمید کی مدح و ثنا میں اور سچ تو یہ ہے۔ کہ وہ نثر میں شاعری کرتے تھے۔ بہر حال وہ **صافی** تخلص فرماتے تھے۔ الحکم سے انہیں محبت اور مدیر الحکم پر پوری شفقت تھی۔ وہ میرے ذاتی محسن ہی نہ تھے۔ بلکہ سلسلہ کے بے نظیر خادم ہونے کی وجہ سے آنیوالی نسلوں کے ایک **گرامی قدر محسن** ہیں۔ ان کے احسانات کا جذبہ آج **ساحل سمندر پر** (بمقام بمبئی) میرے دل میں ایک تلاطم پیدا کر رہا ہے۔ کہ آپ کی سیرت کا ایک ورق اپنے احباب کے سامنے رکھوں۔ تاکہ وہ اس **مسلمانوں کے لیڈر** کے ترقی مدارج کے لئے دعا کرنے کی توفیق پائیں۔ پرانے احباب میں سے کسی کے پاس حضرت ممدوح کا کوئی خط آپ کے ارشاد کا کوئی قول محفوظ ہو۔ تو اسے اشاعت کے لئے **ادارہ الحکم میں بھیجدیں** ۔: (عرفانی)

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے سخت بیزار ہوتے۔ جو اپنے قلب میں یاس محسوس کرتے یا دعاؤں کے متعلق یہ وہم کرتے کہ کہاں قبول ہوگی۔ اس قسم کے خیالات کے متعلق وہ فرمایا کرتے "بڑی بدبختی ہے" کہ ایک شخص دعا کرتا ہے۔ اور اندر ہی اندر کوئی اسے کہتا ہے۔

"کہ کہاں قبول ہوگی"

تیرے ایسے بخت کہاں؟ کہ خدا اسے سنے یہی استبعاد ہے۔ جو اس راہ کا رہزن غول اور یہی مغوی ہے۔ جو آخر کار دہریت کے بے آب و گیاہ بیابان میں سرگردان کر دیتا ہے۔"

یعنی دعاؤں کی قبولیت کے متعلق جب انسان خدا تعالیٰ پر بدظنی کرتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کا انجام دہریت ہو جاتی ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ سے منکر ہو جاتا ہے۔ وہ فرمایا کرتے کہ شرطی ایمان والے ہمیشہ ٹھوکر کھاتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں سے آپ کو بیحد نفرت تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اپنا ایک واقعہ دہراتے۔ کہ:۔

مجھے یاد ہے۔ کہ کشمیر میں ایک شخص قانونگو رئیس کے ڈیرہ پر میں اور میرے مخدوم مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ عنہما) بیٹھے تھے اس کا ایک ہی بیٹا تھا۔ اور وہ تپ سے بیمار تھا۔ بڑے جوش سے اس نے مولوی صاحب سے کہا۔ **کہ اگر یہ میرا بیٹا مر گیا۔ تو میں خدا کو کبھی نہیں مانونگا۔** میں نے بحمد اللہ اس گھڑی سے پھر اس کا پانی تک نہ پیا۔ بد قسمت تھوڑے دنوں کے بعد خود ہی لقمہ نہنگ اجل ہو گیا اور بیٹا اب تک (یہ ۱۸۹۹ء کی بات ہے عرفانی) زندہ ہے"

حضرت مخدوم الملت کے قلب میں خدا تعالیٰ کی محبت عظمت اور پھر اس کے لئے غیرت کا اندازہ کر لو۔ یہ شخص ریاست جموں و کشمیر میں صاحب اثر اور مقتدر انسان تھا۔ اور لوگ اس کے پاس جانا باعث عزت سمجھتے تھے مگر حضرت صافی کی غیرت نے اجازت نہ دی۔ کہ ایسے شخص کے قریب بھی جائیں۔ جو خدا تعالیٰ کی وراء الوراء قدرتوں اور قوتوں کا منکر اور خدا پر ایمان کو اپنی اغراض سے وابستہ کرنا چاہتا ہے۔ ان کی زندگی میں یہ ایک ہی واقعہ نہیں۔ بلکہ انہیں ہر اس شخص سے نفرت ہوتی تھی۔ جو اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم اور بالآخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کسی بھی قسم کی بے اعتنائی اور ہتک کا ارتکاب کرے۔ **میر عباس علی صاحب** کا واقعہ مشہور ہے۔ جماعت کا ہر فرد اب جانتا ہے۔ کہ میر عباس علی صاحب ان لوگوں میں سے تھے۔ جنہوں نے ابتدائً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اظہار عقیدت کیا۔ اور براہین احمدیہ کی اشاعت میں پوری سرگرمی اور اخلاص سے حصہ لیا۔ لیکن کسی مخفی شامت اعمال اور نہانی معصیت نے بالآخر انہیں رد کر دیا۔ جالندھر کے مقام پر میر عباس علی صاحب موجود تھے۔ اور وہ حضرت اقدس پر کچھ اعتراضات کر رہے تھے۔ حضرت مخدوم الملت بھی وہاں موجود تھے۔ میر صاحب کا لہجہ درشت ہوتا جاتا تھا۔ اور حضرت بالمقابل اسی قدر نرمی اور شفقت کا اظہار کرتے جاتے تھے۔ حضرت مخدوم الملت فرماتے تھے۔ کہ میرے قلب پر اس کا ایسا اثر ہو رہا تھا۔ کہ میں آپے سے باہر ہوا جاتا تھا۔ کہ خدا کا برگزیدہ رسول گویا منت اور لجاجت سے سمجھا رہا ہے۔ محض اس لئے کہ اسے ٹھوکر نہ لگے۔ مگر وہ اسے قدر شوخی اور بے باکی میں بڑھتا جاتا تھا۔ آخر مولانا فرماتے ہیں۔ کہ مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ اور میں باوجود اپنی معذوریوں کے اور باوجود اس عظمت اور رعب کے جو میرے قلب پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تھا۔ ایک حملہ آور کی حیثیت سے میر عباس علی پر لپکا۔ اور میرے منہ سے ایسے الفاظ نکلے۔ جو عام بول چال میں اور اس مجلس میں نہیں نکلنے چاہئے تھے مگر میں جانتا ہوں۔ کہ میں نے جو کچھ کیا۔ اور کہا۔ وہ محض غیرت کے جوش اور جذبہ سے کیا۔ میں حضرت حجۃ اللہ علی الارض کی شان میں اس قسم کی گستاخی دیکھ ہی نہ سکتا تھا۔ اور میرے کان اس قسم کی آواز کو برداشت نہیں کر سکتے تھے جو میر عباس علی صاحب کے منہ سے نکلتی تھی۔ اس لئے میں لپکا۔ اور اُسے گلے سے پکڑ لیا۔ مگر وہ کسی طرح چھڑا کر بھاگا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی تمام اندرونی غلاظت کو دور کر دیا۔

بظاہر ایک شخص کہیگا۔ کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر صحابی حضرت کی موجودگی میں اس طرح پر ایک مخالف الرائے شخص پر حملہ کرتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ انکی غیرت ایمانی کا مظاہرہ تھا حضرت مسیح موعودؑ نے اسوقت حسن اخلاق کا نمونہ دکھایا شان نبوت کا وہی تقاضا تھا لیکن حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے جو طریق اختیار کیا۔ انکی غیرت ایمانی اسی کی مقتضی تھی۔ اس رنگ کا پیدا ہونا بھی ہر مومن کے اندر ضروری ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہونگا۔ کہ جبتک یہ حقیقت ایمانی پیدا نہ ہو ایمان ایک قسم کے خطرہ میں ہی ہے۔ مجھے وہ واقعہ بھی کبھی بھولتا ایک مرتبہ گڑھشنکر ضلع ہوشیارپور میں ایک شخص سلسلہ میں داخل ہوا۔ انکا خاندان لٹھ مار کہلاتا تھا۔ اسلئے کہ وہ سپاہیانہ فطرت رکھتے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے حضور جب وہ حاضر ہوئے۔ تو انکے بعض ہموطن دوستوں نے انکے غصہ اور تیزی طبیعت کا تذکرہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ سے کیا۔ اور کہا۔ کہ انکو نصیحت فرمائی جاوے۔ کہ یہ لڑیں نہیں حضرت اقدس نے نہایت محبت سے انکو کہا کہ ہمارا یہ طریق نہیں ہے۔ ہمکو ہر موقعہ پر برداشت اور صبر سے کام لینا چاہئے اگر دوسرا سختی بھی کرے۔ تو اسکا جواب نرمی سے دینا چاہئے۔ اس قسم کی سختی کرنیوالا انسان ہماری جماعت میں نہیں رہ سکتا۔ انہوں نے نہایت اخلاص سے آپکے ارشاد کو سنا۔ اور عرض کیا۔ کہ حضور! اگر ہمکو کوئی برا بھلا کہے۔ جان پر بھی حملہ کرے۔ تو ہم برداشت کرینگے۔ اور آپکی نصیحت پر عمل کرینگے۔ لیکن اگر کوئی شخص آپکو برا کہیگا اور ہمارے سامنے تو ہم اسکو نہیں سن سکتے۔ پھر جو کچھ ہوگا۔ دیکھا جائیگا۔ آپ خواہ جماعت میں رکھیں۔ یا نکال دیں۔ لیکن آپ کو صادق یقین کرنے کے بعد یہ نہیں ہوگا۔ کہ جیتے جی آپ کی برائی سنیں حضرت اقدس اس پر مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ پیر ظہیر عبداللہ کا واقعہ بھی دوستوں کو معلوم ہے اور صاحبزادہ عبداللطیف شہید مرحوم نے بھی حضرت اقدس کے سامنے ہی ایک گستاخ معترض کو گلے سے پکڑ لینا چاہا تھا۔ غرض یہ ایک ۲۴

۲۴ غیرت ایمانی ہے۔ جو ہر مومن میں ہونی چاہئے۔ اور بغیر اس کے ایمان کامل ہی نہیں ہوتا۔ حضرت صافی اس خصوص میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ اور انکی زندگی کا ہر دن اس کے حیرت انگیز مظاہرات سے بھرا ہوا تھا۔ جب وہ حضرت

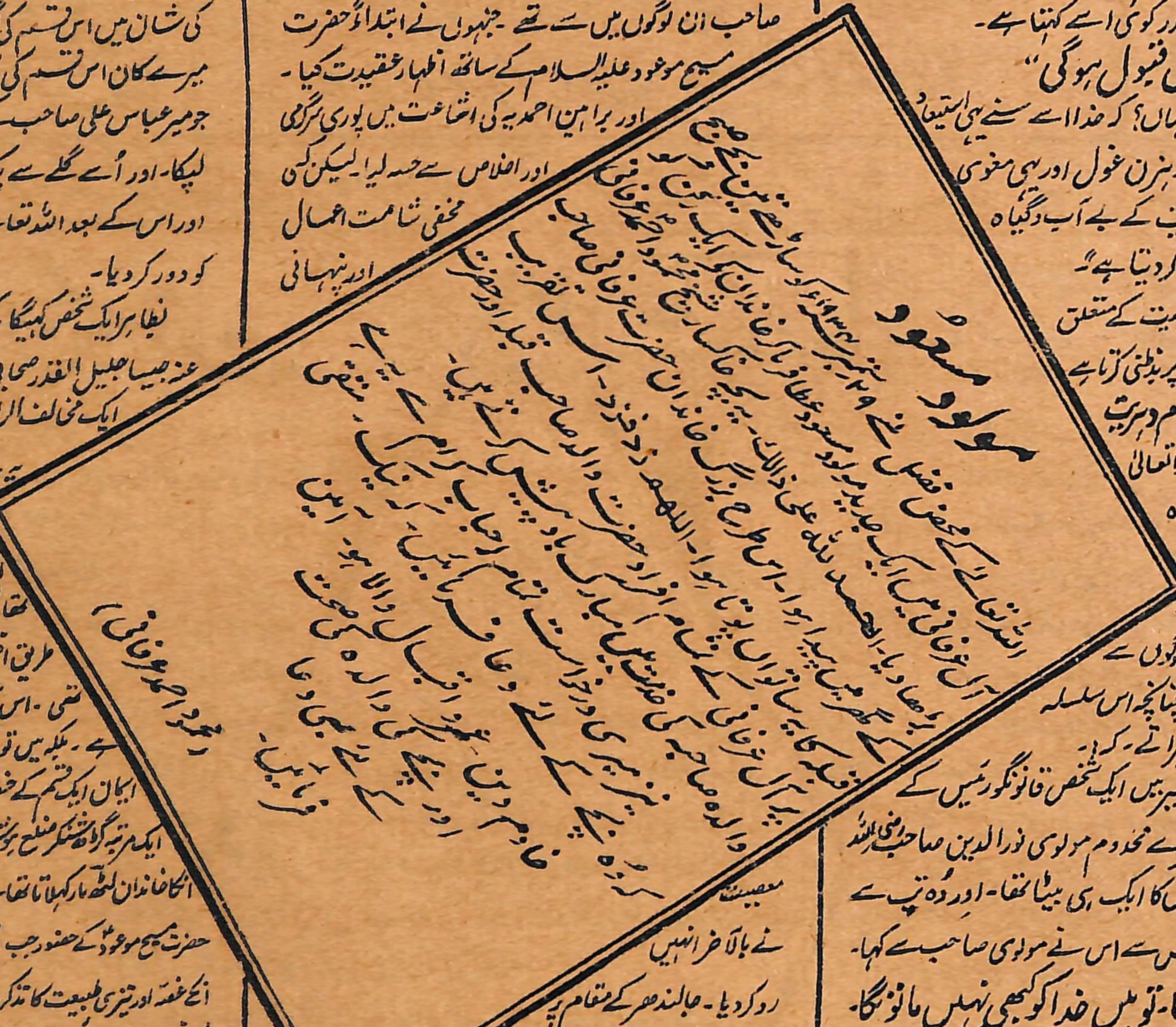

مولود مسعود

(محمود احمد عرفانی)

سیرت المہدی کا ایک ورق

حضرت حافظ نور محمد صاحب فیض اللہ چک کی روایات

(نمبر ۵)

۲۸

حافظ صاحب بیان کرتے ہیں کہ کلارک کے مقدمہ میں جب گورداسپور کی تاریخ مقرر ہوئی تو اس تاریخ پر میں اور میاں فضل الٰہی صاحب سخت بارش میں گورداسپور پر پہنچے تمام سڑکیں اور راستہ بارش کے پانی سے بھرے ہوئے تھے۔ جس کوٹھی میں آپ تھے اس کا صحن بھی بھرا ہوا تھا۔ پانی میں گرتے ہوئے کچہری میں پہنچے۔ حضرت صاحب ہم کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ جونہی کچہری میں پہنچے فیصلہ سنا دیا گیا اور **حضرت اقدس کو عزت کے ساتھ بری** ٹھہرایا۔

(نوٹ) یہ کلارک کے مقدمہ کی آخری تاریخ تھی۔ اس مقدمہ کے حالات ساتو کے ساتھ خاکسار عرفانی نے **دوسرا جنگ مقدس** کے عنوان سے شائع کیا تھا اور اسی مقدمہ کی وجہ سے الحکم کی ضرورت محسوس تھی۔ حضرت اقدس جس کوٹھی میں ٹھہرے تھے۔ وہ شیخ علی احمد صاحب وکیل گورداسپور کی کوٹھی تھی جو ریلوے روڈ پر واقع ہے۔ اور کچہری وہاں سے قریب ہے **کپتان ڈگلس** نے یہ مشہور و معروف مقدمہ کیا تھا۔ اور اس مقدمہ میں حضرت اقدس کی زبردست روحانیت اور شخصیت کا اسپر اثر ہوا۔ جس کا ذکر اب تک وہ کرتا رہتا ہے۔

(۲۹)

ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جن لوگوں کو میری نسبت الہامات ہوئے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر اشتہار دیں۔ آپ کی اس ارشاد کی تعمیل میں میں نے ایک اشتہار شائع کیا جس میں دس باتیں جو مجھے الہاماً بتائی گئی تھیں درج کیں۔

(نوٹ) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اوائل اکتوبر ۱۸۹۹ء میں اس قسم کا ارشاد فرمایا تھا۔ گو اس سے پہلے بھی بعض صلحائے امت کے کشوف و رؤیا آپ کے موید و مصدق تھے۔ مگر اس کی ضرورت اسطرح پیش آئی تھی۔ کہ الٰہی بخش لاہوری اور بعض دوسرے لوگ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہمکو حضرت اقدس کی مخالفت میں الہامات ہوئے ہیں یا ہم نے ایسے خواب دیکھے ہیں۔ اگرچہ ان کے پیش کردہ الہامات یا رؤیا کو جب علم تعبیر الرؤیا کے اصولوں پر دیکھا جاتا تو وہ حضرت اقدس کی مخالفت میں ثابت نہ ہوتے۔ یا نفس الہام اور رؤیا صادقہ کے معیار پر پورے نہ اترتے تاہم حضرت نے یہ ارشاد فرمایا کہ ہماری جماعت کے لوگوں میں سے جس کسی نے کوئی خواب دیکھا یا اسے الہام ہوا ہو وہ خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر اسے شائع کریں۔ اس مقصد سے الحکم میں "تصدیق المسیح" کا ایک عنوان قائم کیا گیا تھا۔ اور مختلف احباب کے رؤیا اور کشوف شائع کئے گئے۔ الگ اشتہارات بھی شائع ہوتے تھے۔ حافظ نور محمد صاحب نے اپنے جس اشتہار کا ذکر کیا ہے وہ انھوں نے ۱۶ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو شائع کیا تھا۔ حافظ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے **دس باتیں** شائع کی تھیں مگر اس اشتہار میں آٹھ تھیں۔ شاید ان کو یاد نہیں رہا۔ گو حافظ صاحب کو حضرت اقدس کی تائید میں جو الہامات اور رؤیا ہوتے انھوں نے مجھے قلمبند کرا دیئے ہیں۔ وہ اس سے بھی زیادہ ہیں۔ (عرفانی)

(۳۰)

ہمارے ایک خالہ زاد بھائی میاں فضل الٰہی صاحب کی ایک ہمشیرہ جوان تھی اور شادی کے قابل تھی حضرت اقدس نے ایک خط لکھ کر میاں جمال الدین صاحب (مرحوم و مغفور) سیکھواں والے کو دیا کہ وہ میاں فضل الٰہی صاحب کے پاس لے جاوے اس میں آپ نے لکھا تھا کہ اپنی ہمشیرہ کی شادی مولوی صاحب (حضرت حکیم الامۃ مولوی نور الدین صاحبؓ) سے کر دو۔ **بہت مبارک ہوگی**۔ میاں فضل الٰہی صاحب جو بہت صالح تھے انھوں نے قبول کر لیا۔ مگر ان کی والدہ نے جہالت کی وجہ سے نامنظور کیا (قومیت کا جھگڑا درمیان میں پیش کر دیا۔ عرفانی)۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ **مرزا امام الدین** نے اپنی لڑکی کا نکاح سانیاں سیدوں کے ہاں کر دیا تھا۔ نکاح کر دینے پر سب راضی ہوگئے **تم بھی کر دو**۔ میاں فضل الٰہی اسپر بھی راضی تھے مگر ان کی والدہ لڑکی کو لے کر جلال آباد چلی گئی۔ تاکہ [illegible] یہاں **شادی نہ کر دے**۔ پھر انھوں نے دوسری جگہ اس لڑکی کی شادی کر دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لڑکی **بیوہ ہوگئی اور اس کے ہاں اولاد بھی نہ ہوئی**

نوٹ:۔ یہ حضرت اقدس کا ایک نشان ہے آپ نے فرمایا تھا کہ مولوی صاحب کے ساتھ شادی کر دو بابرکت ہوگی۔ لیکن اس حکم کی تعمیل نہ ہونے پر خدا تعالیٰ نے دوسری جگہ کو بابرکت نہ بنایا۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے مامورین و مرسلین کی زبان سے جو باتیں نکل جاتی ہیں وہ اکارت نہیں جاتی ہیں۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود + گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(۳۱)

حافظ صاحب بیان کرتے ہیں کہ:۔

جب **حضرت صاحب** کو لڑکے کی بشارت دیگئی تو وہ یہ تھی نبشرک بغلام حسین اس وقت آپ کو شادی وغیرہ کا خیال بھی نہ تھا ایک یتیم لڑکا لودہانہ سے پھرتا ہوا آگیا آپ نے اس کی خبرگیری کی اور اسے تعلیم کے لئے سرکاری مدرسہ میں داخل کرا دیا اور یہ سمجھا کہ **شاید یہی لڑکا ہو** مولوی محمد حسین نے کہا کہ یہ لڑکا حسین نہیں اس لئے اس کی پیشگوئی کا مصداق نہیں۔ پھر اسکے بعد شادی کا سلسلہ اور انتظام ہو گیا

(**نوٹ**) یہ واقعہ مامورین و مرسلین کو اس صحیح فطرت کا نقشہ پیش کرتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی بشارتوں کو پورا ہوتے دیکھنے کے لئے کس قدر متمنی ہوتے ہیں۔ چونکہ وہ ایک پیشگوئی ہوتی ہے اور اس کی حقیقت ظہور تک مخفی ہوتی ہے۔ اسلئے بعض اوقات وہ اس کے عام مفہوم پر بھی اسے چسپاں کر لینے میں تامل نہیں کرتے ان کا مقصد محض امر الٰہی کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے ایک دوسری بات یہ بھی ظاہر ہوتی ہے کہ یتامیٰ کی پرورش اور خبرگیری کا ہمیشہ آپ کو خیال رہتا تھا۔ ابتدائی زندگی میں مخفی طور پر اپنا کھانا یتامیٰ اور مساکین کو ہی کھلایا کرتے تھے۔ اور اسی طور پر صدقہ کرتے تھے کہ کسی کو معلوم بھی نہ ہو ہمیشہ یتامیٰ آپ کے فیض سے متمتع ہوتے رہے مرزا اسمٰعیل بیگ ان کا بھائی۔ میاں غفار اور اسکا بھائی اور بعض بچے حالت یتیم ہی میں آپ کی خبرگیری اور توجہ سے پرورش پاتے رہے (عرفانی)

(۳۲)

حافظ صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب بشیر اول پیدا ہوا تو آپ نے اس کا عقیقہ بڑا شاندار کیا۔ بارش ہو گئی ہوئی تھی۔ اور دوست مختلف مقامات سے آئے تھے۔ مولوی محمد حسین نے اس دھوم سے عقیقہ ہوتے دیکھا تو اسکو بہت رنج ہوا اور اس نے کہا کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں اور مخول کرتے ہیں۔ آپ نے اس کو جواب دیتے ہوئے یہ آیت پڑھی **ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نأت بخیر** الآیۃ

اور یہ بھی فرمایا کہ اس قسم کے اوقات بھی آجایا کرتے ہیں۔ اور یہ آیت بھی پڑھی **حتی اذا استیأس الرسل وظنوا انهم قد كذبوا**

(**نوٹ**) یہ واقعہ کسی قدر تشریح اور تفصیل کا محتاج ہے۔ **بشیر اول** (اللّٰھم اجعلہ لنا فرطاً وشفیعاً ومشفعاً) پیدائش سے پیشتر ایک موعود بیٹے کی بشارت مل چکی تھی۔ الٰہی سنتوں کے ساتھ چونکہ ابتلاؤں کا سلسلہ لازمی ہوتا ہے اس لئے اس بشارت کی اشاعت کے بعد سیدہ **عصمت** پیدا ہوئی۔ اسپر بڑا شور مچایا گیا اور ایک طوفان بے تمیزی برپا کیا گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے دوسری **بشارت** کے ذریعہ ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی پیشگوئی فرمائی اسپر بھی اعتراض ہوتے۔ بعض نے یہاں تک کہدیا کہ لڑکا پہلے سے پیدا ہو چکا ہے۔ اور مخفی رکھ کر اشتہار دیا گیا ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے موافق **بشیر اول** پیدا ہوا۔ اور جیسا کہ مامورین و مرسلین کی صفت و عادت کا ذکر کر چکا ہوں۔ آپ نے **بشیر اول** کو باوجود ان الہامات کے جو اس کی وفات کے متعلق بھی موجود تھے۔ اسے **بشیر موعود**

سمجھا۔ اور اس کا **عقیقہ** بڑی دھوم دھام سے کیا۔ اسلئے نہیں کہ کسی قسم کی نمائش آپ کو نعوذ باللہ مقصود تھی۔ اگر یہ بات ہوتی تو اس موقع پر غیر مشروع رسومات یا زمانہ کی عرف کے موافق دھوم دھام کا طریق اختیار کیا جاتا **دھوم دھام** کا لفظ جب میں بولتا ہوں تو اس سے اسقدر مراد ہے کہ آپنے اپنے مخلص احباب کو اس تقریب پر بلایا تھا۔ کہ وہ اللہ تعالےٰ کے فضل اور نشانات دیکھیں اور اپنا ایمان تازہ کریں۔ کہ کس طرح پر خدا تعالیٰ نے قبل از وقت ایسے حالات میں کہ آپ کو شادی کا خیال تک بھی نہ تھا۔ بشارت دی۔ اور پھر آپ ہی اس شادی کے سامان عطا فرمائے۔ اور پھر اولاد کی بشارت دی۔ غرض آپنے ان تمام نشانات کو دیکھ کر **ایمانی لذت** حاصل کرنے کے لئے احباب کو دعوت دی تھی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اس سے ایک دن پیشتر اور اُس دن بھی بڑی بارش ہوئی تھی۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ **بشیر اول** کے متعلق جو الہام تھا۔ اس میں بھی اس قسم کے ظاہری حالات کے متعلق اشارہ تھا۔ گو وہ اپنی پوری شان سے دوسرے رنگ میں پورے ہوئے۔ چنانچہ یہ الہام تھا

انا ارسلناہ شاھداً و مبشراً و نذیراً کصیب من السماء فیه ظلمات و رعد و برق کل شیء تحت قدمیه

حضرت میر ناصر نواب صاحب (نانا جان) رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اس قدر طوفان بارش کا تھا۔ اور اتنا پانی آگیا ہوا تھا کہ میں دو تین مرتبہ ڈوبتے ڈوبتے بچا اسوقت سفر کے لئے آجکل کی سہولتیں کہاں تھیں۔ اکثر دوست پیدل چل کر اس سخت طوفان باد و باراں میں پہنچے تھے۔ حضرت چودھری رستم علیخان صاحب رضی اللہ عنہ کے سپرد آپنے لوازم مہمان نوازی کا انصرام فرمایا تھا۔ میں اگرچہ اس واقعہ کے دیکھنے والوں میں نہیں ہوں لیکن شامل ہونے والوں کے منہ سے واقعات کو بلاواسطہ سُنا ہے۔ ایک عجیب شان تھی۔ مولوی محمد حسین کی مخالفت کی ابتدا بھی اس تقریب سے ہوتی ہے۔ اس مخالفت کی جڑ حب دنیا اور حسد تھا۔ آخر بشیر اول خدا تعالیٰ کے وعدے کے موافق فوت ہو گیا۔ اور لوگوں نے اعتراضات کی بھرمار کی جس پر آپنے **حقانی تقریر بر واقعہ وفات بشیر** کے عنوان سے اشتہار دیا (عرفانی)

(۳۳)

بیان کیا کہ:۔ ایک دفعہ اپنے گاؤں میں ایک آم کے درخت کے نیچے قرآن شریف کی تفسیر سورۃ ص پڑھ رہا تھا۔ جب میں اس آیۃ پر پہنچا **یا داؤد انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض** تو میری آنکھ لگ گئی اور میں نے دیکھا کہ حضرت **خلیفہ ثانی** میرے سامنے کھڑے ہیں۔ اسوقت آپ کی عمر ۱۲-۱۳ برس کی ہوگی (اس لحاظ سے یہ ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء کا واقعہ ہے۔ عرفانی) میں نے دیکھا کہ آپ جوان ہیں۔ اُسوقت آواز آئی **محمود احمد ڈپٹی کمشنر**۔ یہ خواب میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سنائی۔ آپنے مسکرا کر فرمایا

ہاں کمشنر کے بعد ڈپٹی کمشنر ہوتا ہے

(۳۴)

بیان کیا کہ:۔ ایک مرتبہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضور **ریا کا علاج بتائیں**۔ آپنے فرمایا اب تو دنیا میں طاعون ہے **اب کہاں ریا ہو سکتی ہے**:۔

نوٹ:۔ ایک مرتبہ حضرت مخادیم الملۃ رضی اللہ عنہ نے آپ سے سوال کیا تھا کہ کیا آپ کو بھی کبھی ریا آتی ہے آپ نے ایک نہایت لطیف پیرایہ میں فرمایا کہ کیا چڑیا گھر میں کوئی شخص نماز پڑھے تو اس کو ریا ہو سکتی ہے۔ وہ ان جانوروں کو اپنی نماز دکھانا چاہتا ہے؟ ایسا ہی ہمارے نزدیک دنیا کی حالت ہے۔ اسوقت اصل الفاظ میرے پاس نہیں یہ مفہوم ہے عرفانی)

(۳۵)

بیان کیا کہ

ایک مرتبہ اپنے گاؤں سے آیا ظہر کا وقت تھا حضرت صاحب مسجد مبارک میں موجود تھے۔ ایک عرب صاحب محمد سعید صاحب آئے ہوئے تھے۔ آپ کو اس کی شادی کا بڑا خیال تھا۔ حضرت اقدس نے اس کو مخاطب کرکے فرمایا کہ **ھذا حافظ نور احمد**۔ پھر نماز کے بعد مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ عرب صاحب کو ساتھ لے جاؤ۔ اور حافظ محمد جمیل صاحب کی سالی ان کو دکھا دو۔ آپکے اس ارشاد کی تعمیل میں میں اور عرب صاحب غفارا کا یکہ لے کر امرتسر سوار ہو گئے۔ شام کو وہاں رہے۔ شام کے وقت میاں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس لڑکی کے ہاتھ روٹی بھیجو۔ جب وہ لڑکی آئی تو میں نے کہا کہ **ھذا اس نے ناپسند کیا اور واپس چلا آیا**۔

(**نوٹ**) محمد سعید عرب شامی نوجوان تھا۔ وہ ہندوستان آیا اور قادیان بھی پہنچ گیا۔ حضرت اقدس کی بعض عربی تصانیف اور قصائد نے اس پر سحر حلال کا اثر کیا۔ چونکہ وہ خود بھی ادیب تھا بہت ہی متانت سے حضرت کی شان میں قصیدہ اور ایک مختصر سا رسالہ (غالباً الفاظ الناس) لکھا۔ چونکہ نوجوان تھا اور اس نے شادی کے لئے درخواست کی تھی حضرت اقدس چاہتے تھے کہ اس کی شادی ہو جائے بالآخر اس کی شادی مالیر کوٹلہ ہو گئی تھی۔ پھر وہ چین وغیرہ کی طرف چلا گیا۔ شادی کے معاملہ میں حضرت اقدس اس امر کو پسند کرتے تھے کہ لڑکی کو دیکھ لیا جاوے۔ اور شادی سے پہلے پوری تسلی کر لی جاوے

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کو جب شادی کی ضرورت پیش آئی یعنی جب ان کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تو دوسری شادی کے لئے حضرت اقدس کے گھر میں بعض خدام کی لڑکیاں قابل شادی تھیں۔ آپنے منشی ظفر احمد صاحب کو کپور تھلہ سے بلا لیا۔ اور ان کو موقع دیا کہ وہ خود لڑکی کو دیکھ لیں۔ چنانچہ اس کے لئے آپنے انتظام کر دیا۔ غرض شادی کے معاملہ میں آپ اس طریق کو پسند فرماتے تھے۔ عرفانی)

(۳۶)

بیان کیا کہ:۔

ایک مرتبہ حافظ حامد علی صاحب اور ان کے چچا میاں چراغ علی صاحب (رضی اللہ عنہما) جو اولین صحابہ میں سے تھے کا ایک قطعہ زمین پر تنازعہ ہو گیا۔ مجھے حضرت اقدس نے منصف مقرر فرمایا۔ جب حضرت صاحب کے سامنے بات ہوئی۔ تو ان دونوں نے اپنے اپنے احسانات بیان کرنے شروع کئے۔ اسپر حضرت اقدس نے فرمایا

پچھلے کئے سے تم اپنے ہاتھ دھو لو کہ وہ ضایع ہو گیا

پھر میں نے اپنے گاؤں سے اور دو آدمی لئے اور جا کر ان کی صلح کرا دی

نوٹ:۔ حضرت اقدس کے ارشاد میں اس آیت شریفہ کا مفہوم ہے **لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ** یعنی جب کوئی شخص اپنی کسی بڑی نیکی کا دوسرے پر احسان جتاتا ہے۔ یا اس نیکی کو مدنظر رکھ کر کوئی ایذا دیتا ہے تو اس نیکی کا اجر ضایع ہو جاتا ہے یہ ایک عام مرض ہے کہ لوگ عموماً اور قریبی رشتہ دار خصوصاً جب آپس میں کسی امر پر جھگڑ پڑتے ہیں تو ایک دوسرے پر احسان جتانے لگتے ہیں۔ جیسے فلاں موقع پر اس کے ساتھ یہ کیا اور وہ کیا۔ اسطرح پر اس نیکی اور احسان کا اجر ضائع ہو جاتا ہے۔ حضرت اقدس نے اس کی طرف حافظ حامد علی صاحب اور میاں چراغ علی صاحب کو توجہ دلائی تھی۔ عرفانی)

(۳۷)

بیان کیا کہ:۔

ایک مرتبہ آپکی مجلس میں کسی نے ذکر کیا کہ ایک فرقہ فقیروں کا ملامتی ہوتا ہے اسی فرقہ کا ایک بزرگ تھا۔ لوگ اسکے معتقد تھے وہ بازار میں جا رہا تھا۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا اس نے حلوائی کی دکان سے مٹھائی بلا اجازت اٹھا کر کھالی اسپر اس کے معتقد بدظن ہو گئے اور اس نے ۶۰ روزے رکھے۔ آپنے فرمایا کہ **اتنے تکلف کی کیا ضرورت ہے۔ ہم حق کہتے ہیں ہمیں لوگ ملامت کرتے ہیں۔**

(نوٹ) آپنے اس کی بہت تشریح فرمائی تھی۔ الحکم کی ڈائریوں میں یہ بات ہے انبیا علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی حقیقی ملامتی نہیں ہوتا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ملامتی ظاہر کرتے ہیں۔ عام طور پر یہ لوگ اباحتی ہوتے ہیں۔ وہ مختلف قسم کے فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں اور ملامتی نام کے پردہ میں یہ سب کچھ جائز رکھتے ہیں حضرت اقدس اس قسم کے فقیروں یا دوسرے لوگوں کو پسند نہ فرماتے تھے کہ وہ سنن انبیاء کے طریق سے دور جا رہے ہیں۔ آپ منہاج نبوت پر دنیا کی ہدایت و رہنمائی کرتے تھے اسی رنگ میں تزکیہ نفوس کو ضروری سمجھتے تھے۔ (عرفانی)

(۳۸)

بیان کیا کہ میاں برکت علی مرحوم دمغوں مولوی عبد الرحمن جٹ (مولوی فاضل) کے دادا حضرت اقدس کے پرانے دوستوں میں سے تھے وہ [illegible] تبرڑی کے پل پر نوکر تھے۔ پنسال نویس تھے۔ وہ بیمار ہو کر قادیان آئے خدا کی قدرت ہے میں بھی اتفاقاً آگیا میرے بھی وہ دوست تھے ان کی یہ حالت تھی کہ زبان بند تھی اٹھ کر میرے کان کے قریب منہ کر کے کچھ کہنا چاہتے تھے۔ مگر زبان نہ چلتی تھی کوئی کاغذ قلم دوات منگا دیا گیا تو لکھ نہ سکے انہیں دنوں حضرت اقدس نے **ازالہ اوہام** کی تحریر کے لئے ایک کاتب منگوایا ہوا تھا اس نے آکر مضمون مانگا۔ آپ نے فرمایا

ہمارا ایک دوست بیمار ہے اسلئے کام نہیں کر سکتے۔

نیز آپنے فرمایا چمچہ سے شربت بنفشہ اور عرق گاؤزبان ڈالتے رہو۔ رات اسطرح گذری صبح کو آپنے فرمایا کہ گاؤں میں لے جاؤ حالت اچھی نہیں۔ وہاں لے گئے۔ اور وہ گھر جا کر فوت ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون

نوٹ

اس قسم کے واقعات سے نمایاں ہے کہ حضرت اقدس کے یہ خدام آپ کے گھر کو اپنا گھر سمجھتے تھے بے تکلف اپنے بیماروں کو لے آتے تھے اور حضرت بھی پوری توجہ اور انہماک سے ان کی عیادت و تیمارداری کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات اسی کو مقدم کر لیتے۔ اور تصنیف کے کام کو بھی پیچھے کر دیتے۔ حالانکہ کاتب کی تنخواہ اور دوسرے اخراجات چڑھتے تھے۔ مگر آپ نے ایک بیمار کی تیمارداری اور علاج کو مقدم سمجھا۔ یہی وہ شفقتیں اور ذرہ نوازیاں تھیں جنہوں نے

دلوں کو تسخیر کر لیا تھا

(عرفانی)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملفوظات

(سلسلہ کے لئے دیکھئے اخبار الحکم نمبر ۳۴ جلد ۳۷ کالم پہلا ۳۰ سطر سے آگے)

(نوٹ) ۲۱ر ستمبر کے الحکم کے سلسلہ ملفوظات میں یہ مضمون غلطی سے رہ گیا۔ احباب ۲۱ر ستمبر ۱۹۳۴ء کے الحکم کے صفحہ ۵ کالم پہلا اور تیسویں سطر کے آگے سے ترتیب درست فرمالیں۔

یہ وہ گروہ ہے جس کے لئے دکھ اور عذاب الٰہی کا وعدہ ہو چکا ہے۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جو یا ایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة میں داخل ہے یعنی جیسے ایک وہ گروہ ہے جو نفس امارہ کی حکومت کے نیچے ہے اور خوف الٰہی سے کام نہیں لیتا ایک دوسرا گروہ ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے خوف خشیت سے رقیق القلب ہو کر اس کے حضور یوں پانی کی طرح بہہ نکلا ہے۔ آخر اس نے ایک اطمینان اور تسلی پالی۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں سے پورا مطمئن ہو گیا ہے۔ اور اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ وہ منشاء الٰہی سے انشراح صدر کے ساتھ راضی ہو گیا۔ گویا اس نے خدا تعالیٰ سے ایسا پیوند کر لیا جیسے شاخ کو درخت سے ہوتا ہے اور کسی عضو کو بدن کے ساتھ اس درجہ پر یہی لوگ حزب الحق کہلاتے ہیں

مراتب الثانی

مطمئنہ والی حالت کے لوگوں کے بڑے مقامات ہیں قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے بہت سے مدارج ہیں جب اول ہی اول وہ نفس امارہ کے جوشوں اور جذبات سے بچ نکلتا ہے اور نیکی کی راہوں پر چلتا ہے تو اس ابتدائی منزل پر اس کا نام متقی ہوتا ہے۔ متقی کے بالمقابل نفس لوامہ ہے اور اس سے ادنیٰ درجہ میں امارہ ہوتا ہے اس کے بالمقابل جو حالت اور نام انسان کا ہوتا ہے۔ وہ فاسق فاجر وغیرہ علیٰ قدر مراتب۔

درجہ متقی

متقی کا نفس کے ساتھ جنگ و جدل رہتا ہے اور وہ زور یا زور سے نفس پر غالب آنا چاہتا ہے اور یہ اس درجہ میں نفس لوامہ کے ماتحت اسلئے ہوتا ہے کہ وہ اس کو برائیوں پر ملامت کرتا ہے اسلئے وہ بدیوں سے بچتا رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان یہ بات مدنظر رکھے کہ میرے اس قول یا فعل کا نتیجہ ملامت ہوگا تو اسکو اللہ تعالیٰ کے فضل اور تائید سے برائیوں سے بچنے کی ایک راہ مل جاتی ہے۔

متقی کی حالت میں چونکہ رویت باری تعالیٰ اور مکالمات و مکاشفات کے مراتب حاصل نہیں ہوتے۔ اس لئے اس کو اول ایمان بالغیب ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وہ مکلف کے طور پر ایمانی درجہ ہوتا ہے۔ کیونکہ قرائن قویہ کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لاتا ہے جو بن اٹکل الیقین ہو کر یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض آدمی تقوے کے اس درجہ پر بھی نہیں ہوتے۔ یہ دہریہ منش لوگ ہیں۔ وہ آثار آیات قدرت کو تو دیکھتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ہستی کے قائل نہیں ہوتے اور نہیں مانتے۔ مگر متقی اللہ تعالیٰ کو مان لیتا ہے اور اس پر ایمان لاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یومنون بالغیب یہ مت سمجھو کہ یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ یا اس کا مرتبہ کم ہے۔ اور جو فہم سے بڑھ کر قدم مارتے ہیں۔ وہ بڑے مجاہد ہیں اور ان کے لئے بڑے بڑے مراتب اور مدارج ہیں نہیں بلکہ یہ ایمان بالغیب متقی کے پہلے درجہ کی حالت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی وقعت رکھتی ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ جانتے ہو سب سے بڑھ کر ایمان کس کا ہے؟ صحابہ نے عرض کی کہ حضور آپ کا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا کس طرح ہو سکتا ہے۔ میں تو ہر روز جبرئیل کو دیکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نشانات کو ہر وقت دیکھتا ہوں۔ پھر صحابہ نے عرض کی کہ کیا ہمارا ایمان؟ پھر آپ نے فرمایا کہ تمہارا ایمان کس طرح تم بھی تو نشانات دیکھتے ہو۔ آخر خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ صدہا سال میرے بعد آئینگے۔ ان کا ایمان عجیب ہے کیونکہ وہ کوئی ایسا نشان نہیں دیکھتے جیسے تم دیکھتے ہو۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ غرض خدا تعالیٰ متقی کو اگر وہ اسی ابتدائی درجہ میں مر جاوے۔ تو اسی زمرہ میں داخل کر لیتا ہے اور اسی دفتر میں اس کا نام لکھ لیتا ہے۔ باوجودیکہ وہ مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ کو نہیں جانتا۔ اور اس لذت اور نعمت سے ابھی اس نے کچھ بھی نہیں پایا۔ لیکن پھر بھی وہ ایسی قوت دکھاتا ہے کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی رکھتا ہے۔ بلکہ اس ایمان کو اپنے عمل سے بھی ثابت کرتا ہے یعنی یقیمون الصلوٰۃ

تقوے کی اس حالت میں نمازوں میں بھی وسوسے ہوتے ہیں اور قسم قسم کے وہم اور شکوک پیدا ہو کر خیالات پراگندہ کرتے ہیں باوجود اس کے بھی وہ نماز نہیں چھوڑتے۔ اور نہیں تھکتے اور ہارتے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ چند روز نماز پڑھی اور ظنون فاسدہ اور خیالات پراگندہ دل میں گذرنے لگے۔ نماز چھوڑ دی اور ہار کر بیٹھ رہے۔ مگر متقی اپنی ہمت نہیں ہارتا۔ وہ نماز کو کھڑی کرتا ہے۔ نماز گری پڑتی ہے وہ بار بار اسے کھڑی کرتا ہے۔ تقویٰ کی حالت میں دو زمانے متقی پر آتے ہیں ایک ابتلاء کا زمانہ اور دوسرا اصطفا کا زمانہ

ابتلاء اور اصطفے

ابتلاء کا زمانہ اسلیئے آتا ہے۔ کہ تا متقی کو اپنی قدر و منزلت اور قابلیت کا پتہ مل جائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر راستبازوں کی طرح ایمان لاتا ہے۔ اسلئے کبھی اس کو وہم اور شکوک آکر پریشان دل کرتے ہیں کبھی کبھی خدا تعالیٰ ہی کی ذات پر اعتراض اور وہم پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ صادق مومن کو اس مقام پر ڈرنا اور گھبرانا نہیں چاہیئے۔ بلکہ آگے ہی قدم رکھے کسی نے کہا ہے ؎

عشق اول سرکش و خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

شیطان پلید کا کام ہے کہ وہ راضی نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کی ذات سے منکر نہ کرا لے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے روگردان نہ کرا لے وہ وساوس پر وساوس ڈالتا رہتا ہے۔ لاکھوں کروڑوں انسان انہیں وسوسوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب کر لیں پھر دیکھا جائے گا۔ باوجودیکہ انسان کو اس بات کا علم نہیں کہ ایک سانس کے بعد دوسرا سانس آئے گا بھی یا نہیں۔ لیکن شیطان ایسا دلیر کرتا ہے کہ وہ بڑی بڑی اور جھوٹی امیدیں دیتا اور سبز باغ دکھاتا ہے۔ شیطان کا یہ پہلا سبق ہوتا ہے۔ مگر متقی بہادر ہوتا ہے۔ اس کو ایک ... جرأت دیجاتی ہے۔ اور وہ ہر وسوسہ کا مقابلہ کرتا ہے۔ اسلیئے یقیمون الصلوٰۃ فرمایا یعنی اس درجہ میں وہ ہارتے اور تھکتے نہیں۔ اور ابتداء میں انس اور ذوق اور شوق کا نہ ہونا ان کو بیدل نہیں کرتا وہ اسی بے ذوقی اور بے لطفی میں بھی نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ سب وساوس اور اوہام دور ہو جاتے ہیں۔ شیطان کو شکست ملتی ہے اور مومن کامیاب ہو جاتا ہے۔ غرض متقی کا یہ زمانہ سستی کا زمانہ نہیں ہوتا۔ بلکہ میدان میں کھڑے رہنے کا زمانہ ہوتا ہے۔ وساوس کا پوری مردانگی سے مقابلہ کرے اور ایاک نعبد و ایاک نستعین کہہ کر شیطان کو ہلاک کرے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں لذت نہیں آتی۔

نماز میں حصول لذت کیسے ہو سکتی ہے

مگر میں بتلاتا ہوں۔ کہ بار بار پڑھے اور کثرت کے ساتھ پڑھے۔ تقوے کے ابتدائی درجہ میں قبض شروع ہو جاتی اسوقت یہ کرنا چاہیئے کہ خدا کے پاس ایاک نعبد و ایاک نستعین کا تکرار کیا جائے۔ شیطان کشفی حالت میں چور یا قزاق دکھایا جاتا ہے۔ اس کا استغاثہ جناب باری میں کرے کہ یہ قزاق لگا ہوا ہے۔ تیرے ہی دامن کو پنجہ مارتے ہیں۔ جو اس استغاثہ میں لگ جاتے ہیں اور تھکتے ہی نہیں۔ وہ ایک قوت و طاقت پاتے ہیں۔ جس سے شیطان ہلاک ہو جاتا ہے۔ مگر اس قوت کے حصول اور استغاثہ کے پیش کرنے کے واسطے ایک صدق اور سوز کی ضرورت ہے۔ اور یہ چور کے تصور سے پیدا ہوگا جو ساتھ لگا ہوا ہے۔ وہ گویا ننگا کرنا چاہتا ہے۔ اور آدم والا ابتلا لانا چاہتا ہے اس تصور سے روح چلا کر بول اٹھے گی

ایاک نعبد و ایاک نستعین

غرض دل سے ایک نعرہ نکلنا چاہیئے۔ جب تک اونچے اور درد دل سے فریاد نہ کرے ٹھیک نہیں ہے۔ ایسی چیخیں ہوں جن کو سن کر اور دیکھ کر دوسرا جو دیکھتا اور سنتا ہے اس نتیجہ پر پہنچ جائے کہ اس کی چیخیں کس فراق سے نکلتی ہیں۔ اُسوقت نشان کے طور پر معاً ایک چیز دل پر ڈالی جاتی ہے۔ جو مختلف قسم کے خیالات اور وساوس کو معدوم کر دیتی ہے۔ اور دل میں ایک رقت اور سوز کی حالت پیدا کر دیتی ہے۔ اسوقت غیب کا ہاتھ دکھائی دیتا ہے۔ جو شیطانی فوجیت وساوس اور شبہات کو بھسم کرتا جاتا ہے

جب یہ حالت انسان پر وارد ہو جائے تو اس کو ضائع نہ کرے۔ کیونکہ یہی وقت ہے جس میں دعائیں کرنے سے خدا کی خوشنودی اور رضا حاصل ہو سکتی ہے۔ اور دنیا کے لئے بھی دعائیں کریں تو قبولیت کا شرف اُن کو بھی دیا جاتا ہے کیونکہ یہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ یہ لوگ دین کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں۔ وہ دنیا کے لئے بھی اگر دعا کرینگے تو قبولیت کا شرف اُن کو دیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ جو لوگ دین کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں وہ دنیا کے لئے بھی اگر دعا کریں گے۔ تو وہ دین ہی کے واسطے ہے۔ **حدیث** میں آیا ہے کہ اگر جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے۔ تو اس کے لئے بھی خدا ہی سے دعا کرنی چاہیئے۔ غرض جب تک رقت کا وقت پیدا نہ ہو تکرار کرنا چاہیئے۔ بعض وقت پاؤں کے بھاری ہونے اور بدن کے چور چور ہو جانے کی حالت بھی رقت پیدا کر دیتی ہے۔ خدا رحیم و کریم ہے۔ کسی مقدمہ والے سے پوچھو کہ کیسی تاریخیں پڑتی ہیں۔ کیسی کیسی پشیمانی اور مصیبت اُٹھانی پڑتی ہے۔ لیکن یہ ساری حیرانیاں اور سرگردانیاں اس کو تھکا نہیں دیتی ہیں وہ تاوقتیکہ حکم نہ ملے پوری مستعدی اور طیاری سے حاضر ہوتا رہتا ہے۔ مگر یہاں یہ حال نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کے حضور جو دکھ اُٹھا کر کھڑا ہوا اور جس نے اُس کی راہ میں کچھ بھی کھویا۔ اُس نے اُس سے کہیں زیادہ سکھ پایا اور حاصل کیا۔ یہاں تو محرومی ہے ہی نہیں۔

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ دنیا میں ایسا ہو تو ہو۔ انسان کسی عمل کو ضائع کرے تو کرے مگر اللہ تعالیٰ کے حضور تو کچھ بھی ضائع نہیں ہو سکتا خدا تعالیٰ کا کوئی ایسا وعدہ نہیں کہ وہ اس کا متکفل نہ ہو۔ **ان اللہ لا یخلف المیعاد** وہ تو فرماتا ہے۔ **من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ** ایک ذرہ بھی ضائع نہیں ہو سکتا۔ غرض میں نے نماز کا ایک طریق بتا دیا ہے۔ جس سے نماز میں لذت اور سرور آ جاتا ہے اور قبولیت دعا کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ حالت بھی اس طریق پر پیدا ہو سکتی ہے کہ دعا کے ذریعہ ایک انقطاع کی حالت پیدا ہو جائے۔ دعائیں مخلصین کی قبول ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ صدق اور سوز اور ابتہال ساتھ رکھتے ہیں۔ جو لوگ اوپرے دل سے دعا کرتے ہیں۔ اور پھر مداومت نہیں کرتے۔ اور اپنے اندر ایک تبدیلی نہیں کر لیتے وہ دعائیں قبول نہیں ہوتی ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے فرضی طور پر بچے کا نام شمس الدین رکھ لے۔ مگر ایک صادق سالک کو چاہیئے کہ وہ ایسی تبدیلی کرے اور اپنے آپ کو ایک نمونہ بنا دے۔ جیسا کہ شرکول پر سیل کا تاق ہوتا ہے۔ وہ دوسروں سے متمیز ہو جاوے۔ نشان بھی ایک یاددہانی کا معاہدہ ہوتا ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ تورات کو آستانوں پر لکھ لو۔ یہ اس لئے کہ جب وہ اندر باہر آتے جاتے اُن کو دیکھیں گے اُن کو احکام الٰہی پر نظر رہے گی۔ غرض میرا اصل مطلب یہ بتانا ہے کہ دعا کی قبولیت کے لئے پہلے تقوے کی ضرورت ہے۔ تقویٰ کا طریق اختیار کرو۔ اگر تقویٰ اختیار نہیں کرتے تو ہر چند دعائیں کریں وہ کوئی اثر نہیں رکھتی ہیں۔ خود بھی دعا کریں اور ان لوگوں سے جن پر حسن ظن ہو اُن سے بھی دعا کرائیں۔ مگر یہ ضروری بات ہے کہ جس سے دعا کرائیں اس سے تعلق پیدا کرنا ضروری ہے جبکہ دعا کرنے والے کے دل میں ایک اضطراب پیدا ہو اور اُسے توجہ ہو دوسری اپنی تبدیلی ضروری ہے۔ اگر خود خبیث کا خبیث رہے اور کوئی تبدیلی پیدا نہ کرے تو اس نیک مرد کی دعا کوئی مفید نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں بھی تو اثر قبول کرنے والی فطرت ہونی چاہیئے۔ روشنی کا خاصہ یہی ہے کہ جہاں اُس کے حسب حال صفائی زیادہ ہو۔ وہاں وہ زیادہ پڑتی ہے۔ یہی حال پاک تاثیروں کا ہوتا ہے۔ جو انوار الٰہی لے کر آتے ہیں۔ جس قدر دل اور سینہ صاف ہو اسی قدر وہ اس نور سے زیادہ منور اور متاثر ہوتے ہیں

پھر دعا کرنے والے کو یہ بھی لازم ہے کہ وہ صبر و استقلال سے کام لے۔ بعض لوگ ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ وہ دعا کی درخواست کرتے ہیں اور چند روز بعد کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو دکانداری ہے۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں۔ میرے لئے دعا کی تھی کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔ نادان اتنا نہیں جانتے کہ صرف دعا کرنے والے ہی کا تو سارا کام نہیں کہ دعا بھی کرے اور اس دعا کے اثروں سے مستفیض ہونے کی فطرت بھی دیدے دعا کرنے والا تو طبیب کی طرح ہوتا ہے۔ اگر مریض اس کا نسخہ استعمال کر کے کوئی پرہیز ہی نہیں کرتا تو تندرست کیونکر ہوگا۔ جیسے دوا کے خواص اور اثر ہر حال میں اُن کے ساتھ ہیں اور کبھی ضائع نہیں ہوتے اور بے اثر بھی نہیں ہیں۔ لیکن اُن کا زیادہ تر مریض کے مزاج اور حالت پرہیز وغیرہ پر منحصر ہے۔ مثلاً جس شخص کو حرارت بڑھ جانے کی وجہ سے بعض امراض لاحق ہو گئے ہیں۔ جو ادویات اُن کو دیجائینگی اُن کے زیادہ موثر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ گرم اشیاء کے کھانے سے پرہیز کرے۔ لیکن اگر اُن کو نہیں چھوڑتا تو کیا دواؤں کی تاثیر کو باطل قرار دیں گے۔؟ ہرگز نہیں۔

پس خدا کا راستباز اور مقبول بندہ جب کسی کے لئے دعا کرتا ہے۔ تو وہ دعا اپنے رنگ میں قبول ضرور ہو جاتی ہے اس کی قبولیت سے فائدہ اُٹھانے والی فطرت پیدا کرنا یہ دعا کرانے والے کے فرائض میں سے ہے۔ جن میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے۔ بدیوں کو چھوڑ دے اور دعا کرنے والے پر حسن ظن رکھے۔ اور صبر اور استقلال سے کام لے۔ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے ؏

طلب گار باید صبور و حمول

طالب کو کبھی ملول ہونا ہی نہیں چاہیئے ایسے لوگ بے نصیب ہوتے ہیں جو جلد گھبرا جاتے ہیں۔ اور بدظنی سے کام لینے لگتے ہیں۔ دعا کرنے والے کو یہ بھی ضروری یاد رکھنا چاہیئے کہ اپنی طرف سے کوئی میعاد مقرر نہ کرے۔ خدمت میں لگا رہے پھر وقت آ جائے گا۔ کہ وہ فائدہ اُٹھائے اپنے آپ کو اگر اس راہ میں دکھوں میں ڈالنا پڑے تو کچھ بھی پرواہ نہ کرے ہمت نہ ہارے

(الحکم جلد ۵ نمبر ۷)

دنیا کے معاملات میں کس قدر جانی اور مالی دکھ اُٹھاتا ہے اور قسم قسم کی ذلتوں میں اپنے تئیں ڈالتا ہے تاکہ دنیا کا کام ہو جائے پھر کس قدر افسوس ہے کہ ابدی حاکم کے سامنے دکھ اُٹھانے سے گریز کرے اور اس کے مقرب ہو جانے اور ابدالآباد کی راحت پالینے کے لئے مصیبتوں اور ذلتوں سے پرہیز کرے افسوس نادان انسان پر یہ دنیا اور اس کی چند روزہ راحتوں اور خوشیوں کے حاصل کر لینے کے لئے ہر دکھ اور مصیبت کو اُٹھا لینے کے لئے تیار مگر خدا کے واسطے کسی کا دکھ اُٹھانا اس کے لئے وبال جان!!!

یہ وقت ہے کہ انسان عاقبت کی فکر کرے موت کا کوئی وقت اُن کو معلوم نہیں کہ کس وقت آ جائے گی ؎

مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار
مباش ایمن از بازی روزگار

کیا نہیں دیکھتے کہ ایک دم میں نئی سہاگن جس نے ابھی خاوند کا منہ بھی نہیں دیکھا بیوہ ہو جاتی ہے۔ ایک بچہ پیدا ہوتے ہی یتیم ہو جاتا ہے۔ غرض موت ایسے طور پر آ جاتی ہے کہ انسان کو کوئی بات اُس وقت بن نہیں آتی۔ اور کوئی نہیں ہوتا جو اس کو اسکے پنجے سے چھڑا سکے۔ پھر یہ عجیب غفلت کا ابتلاء ہے کہ موت جیسی یقینی اور ضروری چیز ہے۔ ایسا ہی ہے گویا اس کو مرنا ہی نہیں پس تقویٰ اختیار کرو۔ خدا پر ایمان پیدا کرو۔ وہ ایمان جو آخر اطمینان اور سکینت کا موجب بنتا ہے اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ تمہاری عمر دراز ہوگی اللہ تعالیٰ مومن کی زندگی بڑھا دیتا ہے کیونکہ وہ نفع رساں وجود ہوتا ہے۔ پس دوسروں کو فائدہ پہنچاؤ کہ تمہاری زندگی کے دن دراز کئے جائیں **واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض** حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے کسی چیز میں اتنا تردد نہیں ہوتا جس قدر مومن کی جان لینے میں۔ پھر دیکھو مومن کی کس قدر عزت ہے۔ اور مومن کی خاطر اللہ تعالیٰ کو کس قدر منظور ہے۔ تم اپنے اندر وہ دل پیدا کرو کہ خدا تعالیٰ کو تمہاری جان لینے میں تردد ہو۔ پھر دوسری قوم اس کے بالمقابل وہ ہے جس کی نسبت کہتا ہے **قل ما یعبؤا بکم ربی لولا دعاؤکم** تمہاری پرواہ ہی کیا ہے۔ کہ یہ قوم اللہ تعالیٰ کے غضب کے نیچے ہوتی ہے اس سے بچو اور پناہ مانگو۔

غرض مومن وہی ہوتا ہے جو صابر ہو۔ جس میں صبر نہیں ہے وہ پورا مومن نہیں ہے۔ صبر ایسی چیز ہے کہ اس کا اجر بے حساب ہے۔ پس اگر نماز میں کوئی وسوسہ اور وہم پیدا ہو تو مایوس مت ہو۔ بلکہ ہمت اور استقلال اور صبر کے ساتھ شیطان کا مقابلہ کرتے رہو۔ فتح و شکست تو ہر جگہ ہوتی ہے۔ مگر آخری فتح مومن اور راستباز ہی کے لئے ہے کیا یہ سچ نہیں

والعاقبۃ عند ربک للمتقین

شیطان مومن کے سامنے مخنث ہو جاتا ہے۔ اور اگر مومن نہ ہو تو ذرا ذرا سے شبہات اور اوہام میں پھنس کر گھبرا جاتا ہو تو شیطان اس کو دبا لیتا ہے۔ پس مستقل طور پر بہادر بن کر شیطان کا مقابلہ کرو اور اس سے لڑو جب تک کہ اس کو ہلاک کر لو۔

(باقی آئندہ)

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ ورنہ عدم تعمیل کی شکایت کی معاف ۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ

مجاہد ایران حضرت شاہزادہ عبد المجید رضی اللہ عنہ

(نمبر ۶)

قادیان میں ہجرت کرنے کے بعد آپ نے پھر لوٹ جانے کا خیال تک بھی نہ کیا۔ اور قادیان کے قیام میں دارالامان کے جائز احترام سے کبھی باہر قدم نہ رکھا آپ کا وقت علی العموم عبادت اور مطالعہ میں گذرتا تھا۔ آپ کے دل میں یہ زبردست خواہش تھی کہ وہ سلسلہ کی کوئی ایسی خدمت کریں جو اپنے رنگ میں بے نظیر ہو۔ اور اس طرح پر وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے اعلیٰ مقام کو حاصل کر لیں۔ وہ کبھی کسی قسم کی شکایت نہ کرتے۔ بلکہ جہاں تک ان کے امکان میں ہوتا ہر اس شخص کو جو ان سے ملتا نیکی اور تقویٰ کا درس دیتے

لائبریرین حضرت حکیم الامۃ کا کتب خانہ اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی ذاتی لائبریری اب سلسلہ کی طرف منتقل ہو چکی تھی۔ اس کی درستی اور ترتیب کا کام آپ کے سپرد کیا گیا۔ اور اس طرح پر آپ قادیان کے عظیم الشان کتب خانہ کے لائبریرین ہو گئے۔

اس کام کو آپ نے بڑی محنت اور دیانت سے نبھایا اور ایک مکمل فہرست اس کتب خانہ کی آپ نے تیار کی۔ وہ ہر وقت اس کی ترتیب میں مصروف نظر آتے تھے۔ اور جب کوئی شخص کسی کتاب کے مطالعہ کے لئے آتا۔ تو فوراً اپنا کام ترتیب کا چھوڑ کر مطلوبہ کتاب نکال کر پیش کر دیتے۔ میں نے خود بارہا دیکھا کہ وہ مطالعہ کنندگان کو انتظار کی تکلیف سے بچاتے اور اپنے کام کو دوسرے وقت کے لئے ملتوی کر کے ان کی فرمائش کی تعمیل کرتے۔ لائبریری چونکہ مدرسہ احمدیہ ہی کے بعض کمروں میں تھی۔ طالب علم بھی اکثر آتے۔ شہزادہ صاحب اس امر کا التزام رکھتے کہ طلبہ وہی کتابیں لیں جو ان کے لئے علمی یا اخلاقی حیثیت سے مفید ہوں۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ بعض اوقات ان کی تربیت اور تعمیر اخلاق کے فرض کو بھی ادا کرتے تھے۔ بلکہ یہ امر ان کی عادت میں داخل تھا کہ ہر وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہتے اور ایسے طریق پر کہ سننے والے کو رغبت عمل پیدا ہو۔ اسلئے کہ ان کے طرز تعلیم و تبلیغ میں خاص محبت اور نفع رسانی اور خیر خواہی کا جذبہ بالکل نمایاں ہوتا تھا۔ ان کا ہنس مکھ چہرہ اور میٹھی میٹھی باتیں جو دل سے نکلتی تھیں بہت ہی مؤثر ہوتی تھیں۔ ع

سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل

شہزادہ صاحب مہمان نوازی کے فرائض بھی ادا کرتے تھے۔ جو مہمان باہر سے آتے اُن کی ضروریات کا خیال رکھتے اور ایک عالی خاندان کے فرد ہونے کے باوجود ایسے طور پر مہمانوں کی خبرگیری اور خدمت گذاری کے فرائض کو ادا کرتے کہ دیکھ کر اس شخص کی فطرت بلند اور متقیانہ حیثیت کا پتہ لگتا تھا۔ وہ ایک بصیرت کے ساتھ یقین رکھتے تھے کہ

مہمان خدا کے مہمان اور آیت اللہ ہیں

اور **اکرام ضیف** کی شان کو انھوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں عملاً سیکھا تھا۔ اسلئے انھوں نے اسے دستور العمل بنا رکھا تھا۔ اسلئے اُن کی نظر میں ہر ایک آنے والا ایک محترم وجود ہوتا تھا۔ اور اس لئے وہ پورے اہتمام کے ساتھ **نیازمندانہ اور خادمانہ** رنگ میں اس کی خدمت کرتے تھے۔ لائبریرین کی حیثیت سے جب وہ کام کرتے تھے تو کوئی شخص نہیں کہہ سکتا تھا کہ انھیں کبھی بیکار دیکھا ہو۔ ہر وقت آپ کسی نہ کسی مفید کام میں مصروف نظر آتے تھے۔ لائبریرین ہونے کی وجہ سے مطالعہ کتب کا شوق اور بھی بڑھ گیا تھا۔ انھیں ایام میں آپ نے **سورہ اخلاص** کی ایک نہایت مفید اور پر معنی تفسیر لکھی۔ غرض قادیان میں آپ کی زندگی ایک نمونہ کی زندگی تھی۔

ایک خصوصیت یہ ایک قدرتی امر ہے کہ جو شخص کسی جماعت یا سوسائٹی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور مختلف لوگوں سے اس کا واسطہ پڑتا ہے۔ اس پر کوئی نہ کوئی وقت ایسا ضرور آجاتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی شخص کو کسی وجہ سے ناراض کرے یہ دوسری بات ہے کہ ناراض ہونے والا غلطی پر ہو یا صحت پر۔ میں اس بحث سے بالکل الگ رہ کر اس عام بات کو لیتا ہوں کہ شہزادہ صاحب بھی ہر قسم کے جذبات رکھتے تھے۔ اور مختلف مذاق اور خیال کے لوگوں سے انھیں واسطہ پڑتا تھا۔ مگر یہ عجیب بات ہے۔ اور میں تو اسے ان کی کرامت یقین کرتا ہوں کہ قادیان بھر میں ایک بھی شخص ایسا نہ تھا

جسکو شاہزادہ صاحب سے کبھی کوئی شکایت اور رنج ہوا ہو۔

یہ معمولی بات نہیں اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ کبھی کوئی امر موجب اختلاف پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ ان کو اپنے **جذبات** پر اسقدر حکومت حاصل تھی۔ اگر کوئی بات ان کی مرضی کے خلاف پیش آجاوے تو وہ اسے بھی ہنس کر گذار دیتے تھے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دوسرے شخص کو خود ندامت اور شرم آجاتی۔ اسطرح پر وہ

احمدیت کا وہ عملی نمونہ تھے

دوستوں کے ساتھ وفاداری اور احترام شاہزادہ صاحب کی اخلاقی خصوصیت میں یہ امر بھی داخل ہے کہ وہ اپنے مخلص دوستوں کے ساتھ پورے مخلص اور وفادار تھے اور ان کا جائز احترام ہمیشہ کرتے تھے۔ حضرت منشی احمد جان صاحب مرحوم سے چونکہ انھوں نے بہت بڑا روحانی فیض پایا تھا اس لئے اس خاندان کے ساتھ ان کے تعلقات نہایت عقیدتمندانہ اور نیازمندانہ تھے اور ہر چھوٹے بڑے کا وہ احترام کرتے تھے۔ لیکن احمدیت کے عہد جدید میں آ کر جن لوگوں سے ذاتی تعارف اور تعلق تھا۔ ان سے بھی ان تعلقات کو انھوں نے ہمیشہ محبت و اخلاص سے نبھایا۔ خاکسار عرفانی سے ۱۸۹۱ء سے تعلقات تھے۔ اور مجھے یاد نہیں کہ ان تعلقات میں کبھی کوئی بات ایسی پیدا ہوئی جو ناگواری اور تلخی کا رنگ پیدا کرے بلکہ ہمیشہ **ازدیاد محبت** کا موجب رہی زید اور بکر کی کوئی خصوصیت نہیں وہ اپنے تمام دوستوں اور بھائیوں کے ساتھ **محبت و اخلاص** کا برتاؤ کرتے تھے

سیر چشمی اور حیا شاہزادہ صاحب نہایت سیر چشم اور حیا پرور واقع ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی ضرورت کا بھی اظہار کسی سے نہیں کیا۔ چونکہ ...... طبیعت میں کفایت شعاری اور قناعت بھی اس لئے ہمیشہ خوش و خرم رہتے۔ ان کی سیرت کا خلاصہ اسطرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ **انھوں نے اپنی خواہشوں اور جذبات کو اپنا غلام بنایا ہوا تھا**۔ اور یہی وہ حقیقت ہے جو مرد مومن و مسلم میں اپنا کامل ظہور کرتی ہے

وقف زندگی بیوی کی وفات۔ ملازمت سے کنارہ کشی اور قادیان کی ہجرت اور وہاں ایک لمبا قیام درحقیقت یہ ایک **عظیم الشان کام** کے لئے آپ کی تیاری کے اسباب اور ذرائع تھے اگرچہ آپ ہر **مخلص مومن** کی طرح اپنی زندگی کو خدمت دین ہی کے لئے وقف یقین کرتے تھے۔ اور اپنی ساری عمر میں انھوں نے اپنے عمل سے بتایا کہ وہ ایک **حقیقی مجاہد** اور **مبلغ** کی روح اپنے اندر رکھتے ہیں۔ لیکن قادیان پہنچ کر انھوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ باقی عمر تبلیغ دین کے لئے ہی خرچ کرنی چاہیئے اور اس مقصد کے لئے آپ نے اپنی **خدمات حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے حضور پیش کر دیں**۔ اور یہ فیصلہ کر لیا کہ آپ کے ارشاد اور ہدایت کے موافق جہاں تبلیغ کے لئے جانے کا حکم ہو گا چل کھڑا ہوں گا۔ حالات اور واقعات نے ہر قسم کی روکوں کو اُٹھا دیا تھا **رفیقہ حیات** فوت ہو چکی تھی۔ ملازمت سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ آپ کے صاحبزادے

جوان برسرکار تھے۔ ان کی طرف سے کسی قسم کا فکر نہ تھا اور میرا تو یقین ہے کہ اگر سب علائق بھی موجود ہوتے تو شاہزادہ صاحب نے روحانیت کا وہ مقام حاصل کر لیا تھا کہ

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے وہ سب کچھ بآسانی چھوڑ سکتے تھے

حضرت خلیفۃ المسیح نے ... آپ کو ایران میں تبلیغ کے لئے منتخب فرمایا۔ شاہزادہ صاحب نے اپنے دل میں یہ بھی عزم کر لیا تھا کہ وہ **مبلغ ایران** ہونے کی حیثیت سے کوئی خرچ نہ لینگے۔ بلکہ جو کچھ بھی ہوگا اپنی ذات سے خرچ کرینگے۔ ایک عہد تھا جو انھوں نے کامل اخلاص اور پوری سوچ بچار کے بعد **اپنے مولیٰ کریم سے کیا**۔ اور اس کو پورے طور پر نبھایا۔ اس مبارک سفر پر روانگی کے لئے ایک عرصہ تک آپ کو قادیان میں قیام کرنا پڑا اور اس مقصد کے لئے جو اندوختہ آپ کے پاس تھا وہ رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا مگر آپ نے کبھی اشارۃً یا کنایۃً کسی سے نہ کہا کہ **میری مالی حالت کیا ہے**؟ بلکہ وہ ہر وقت روانگی کے احکام کے منتظر رہتے۔ چونکہ آپ صحت کے لحاظ سے عام طور پر کمزور اور نحیف تھے اور عمر کے مراحل طے کر رہے تھے۔ اسلئے کبھی کبھی آپ کو خیال آتا کہ شاید میرے بڑھاپے یا کمزوری کی وجہ سے حضرت خلیفۃ المسیح میرے سفر کو ملتوی کر دیں۔ اس خیال کے ساتھ انھیں ایک اضطراب سا پیدا ہو جاتا کہ کہیں کسی شامت اعمال کی وجہ سے اس **خدمت دین** سے محروم نہ ہو جاؤں۔ اسلئے ہمیشہ کثرت سے استغفار اور درود شریف پڑھا کرتے اور داڑھی کو خضاب لگاتے تاکہ کمزوری اور بڑھاپے کے آثار نمایاں نہ ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ کچھ شک نہیں جسمانی حالت کے لحاظ سے وہ کمزور تھے۔ اور عمر کے لحاظ سے بوڑھے ہی تھے۔ مگر ان میں جو روح اور دل تھا۔ وہ نوجوانوں سے بڑھ کر دلیر اور قوی تھا۔ وہ ہر قسم کی مصیبت اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھے۔ اور ان کے عمل نے ثابت کر دیا

وہ خارق عادت قوت و استقلال

کے مالک تھے۔ آخر وہ وقت آگیا کہ وہ اپنے مبارک سفر پر روانہ ہو گئے۔ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت نے ان کی روانگی کو اسوقت تک ملتوی کیا جب آپ ایک لمبے سفر (سفر ولایت) پر روانہ ہوئے۔ حضور نے اسوقت تین مبلغین کو روانہ کیا۔ ایک روس کے لئے۔ ایک بخارا کے لئے اور شاہزادہ صاحب کو ایران کے لئے

سفر ایران اور آخری ایام

واقعات نے بتایا کہ خاک ایران احمدیت کے ایک شہید کی طلب گار تھی۔ اور یہ مطالبہ حضرت شاہزادہ صاحب نے طہران کی سرزمین میں جام شہادت پی کر ادا کر دیا۔ اسوقت موقعہ نہیں کہ ان کے قیام ایران کے حالات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاوے۔ بعض ضروری حالات اخبارات میں آتے رہے۔ اور بعض دوستوں نے اپنے تذکروں میں ان کی مصائب و مشکلات کا دردانگیز نقشہ بیان کیا۔ میں اس سلسلہ کو ان حالات پر ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ جو عزیز مکرم مرزا برکت علی صاحب امیر جماعت آبادان نے ان کی وفات کے

[illegible]

(الفضل قادیان مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۳۴ء)

طہران میں پہلے احمدی مبلغ کی شہادت

دین کی خاطر قربانی اور ایثار کی شاندار مثال

شہزادہ عبدالمجید صاحب مرحوم کے آخری ایام کے حالات

شاہزادہ عبدالمجید صاحب لدھیانوی جو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے ماتحت تبلیغ احمدیت کے لئے اپنے ذاتی خرچ پر ایران تشریف لے گئے تھے۔ اور وہیں انھوں نے وفات پائی ان کے متعلق مرزا برکت علی صاحب احمدی ورکس سپروائزر آبادان علاقہ ایران نے ایک احمدی بھائی سے معلوم کر کے حالات لکھے ہیں جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ شاہزادہ صاحب موصوف نے باوجود بڑھاپے اور اخراجات کی مشکلات کے خدا تعالیٰ کی راہ میں کس جوانمردی اور استقلال سے اپنی قربانی پیش کی اور احمدیت کے متعلق کیا اعلیٰ درجہ کا اخلاص اور فداکاری دکھائی۔ خدا تعالیٰ انپر بے اندازہ فضل فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

امیر جماعت مرزا برکت علی صاحب لکھتے ہیں:۔

پچھلے دنوں میاں محمد خان صاحب موٹر ڈرائیور طہران سے آئے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے شہزادہ صاحب مرحوم اور وہاں کے احمدیوں کے حالات دریافت کئے تو انھوں نے بتایا

پہلی ملاقات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جب شاہزادہ عبدالمجید صاحب شہید کو تبلیغ کے لئے ایران جانے کی اجازت دی۔ تو مرحوم بہت سی تکلیفوں کے بعد طہران پہنچے۔ اتفاقاً جس شخص کے ساتھ ان کی پہلی ملاقات ہوئی اسی سے انھوں نے رہائشی مکان کے متعلق دریافت کیا اسپر وہ شخص ان کو اپنے مکان میں لے گیا اور اسی میں رہنے کے لئے اپنی خواہش ظاہر کی۔ اس مکان کا کرایہ دو تومان (ایرانی سکہ) تھا ایک ہی کمرہ تھا۔ مرحوم نے وہیں رہنا پسند کیا۔ اور نصف کرایہ اپنے ذمہ لے لیا۔

یہ مکان خیابان چارراہ شیخ ہادی کا بالاخانہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس میں مرحوم نے ایک سال تک قیام فرمایا آپکی محبت اور اخلاق کا اس شخص پر یہ اثر ہوا کہ کچھ دنوں بعد وہ احمدی ہو گیا۔

پہلا کام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے شہید مرحوم کو قادیان سے روانہ کرنے سے پہلے رؤیا میں دیکھا تھا کہ وہ خانقاہ درویش میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فارسی اشعار پڑھ کر سنا رہے ہیں اور تمام درویش اشعار سن کر وجد کی حالت میں جھوم رہے ہیں۔ شہزادہ صاحب مرحوم نے طہران میں پہنچ کر سب سے پہلے یہ کام کیا کہ خانقاہ درویش کا پتہ لگایا۔ خانقاہ معلوم کر کے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ بہت سے درویش بیٹھے ہیں سلام مسنون کے بعد اشعار پڑھنے شروع کر دیئے۔ شعر سن کر خانقاہ کے درویش جھومنے لگے۔ جب اشعار ختم کر چکے تو پھر تبلیغ کی۔

دعوت الامیر کی اشاعت

شہید مرحوم اپنے ساتھ "دعوت الامیر" کے پچاس نسخے لائے تھے جو سب کے سب تقسیم کر دیئے۔ صرف ایک نسخہ ان کے پاس تھا جو وفات کے بعد محمد خان صاحب کے ہاتھ آیا۔ اور اب اسوقت میرے پاس موجود ہے۔

طریق تبلیغ

عام طور پر تبلیغ کے لئے پہلے ملاقات کر کے وقت مقرر کر لیا کرتے تھے۔ اور پھر وقت پر پہنچ کر پیغام حق پہنچاتے ایسے بعض لوگوں کے نام اور پتے اس نسخہ میں تحریر ہیں۔

ایک دفعہ آپ شیخ خزعل (یہ وہی شیخ ہیں جو محمرہ اور ناصری علاقہ میں خود مختار تھے) کے لڑکے سردار لشکر خان کو تبلیغ کرنے کے لئے گئے۔ ایک روز ایک مولوی شیخ عبدالغنی نجف سے آیا تھا۔ سردار لشکر کو یہ اچھا موقع مل گیا۔ اور حضرت شہید مرحوم سے گفتگو کرائی۔ لیکن شیخ عبدالغنی کی یہانتک حالت ہو گئی کہ وہ قرآن کریم کی بے ادبی کرنے لگا۔ آخر کار سردار لشکر کو کہنا پڑا کہ آپ جواب تو دے نہیں سکتے یونہی لوگوں پر بوجھ بن رہے ہیں۔ اسپر بجائے اسکے وہ حق کی طرف لوٹتا مخالفت میں اسقدر بڑھ گیا کہ آخر بہائی مذہب اختیار کر لیا اور جو عزت تھی وہ خاک میں مل گئی۔

شہرت

شہزادہ صاحب تھوڑے ہی عرصہ میں سب طرف مشہور ہو گئے۔ جدھر جاتے لوگ مختلف باتیں کرتے۔ خبیث الطبع لوگ آپ پر آوازے کستے۔ لیکن آپ بالکل پرواہ نہ کرتے اور اپنے فرض کو پوری طرح اپنی طاقت سے بڑھ کر ادا کرتے۔

تکالیف

ایک روز آپ خیابان پارچار میں جا رہے تھے کہ ایک خبیث نے پیچھے سے پکڑ کر دبا لیا۔ چونکہ آپ جسم کے بہت نازک اور پھر بڑھاپے کی وجہ سے بہت کمزور تھے اور قریب تھا کہ آپ کی کوئی پسلی ٹوٹ جائے کہ ایک شخص نے اس کو پکڑ کر بہت برا بھلا کہا اور وہ شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

آپ کو آپکے مہربان دوست عموماً کہا کرتے تھے کہ آپ رات کیوقت باہر نہ نکلا کریں۔ کیونکہ بعض خبیث چاہتے ہیں کہ آپ کو مار ڈالیں۔ لیکن آپ فرماتے کہ مجھے موت کا بالکل ڈر نہیں۔ صبح و شام باقاعدہ تبلیغ کے لئے جایا کرتے تھے۔ اور کوئی موقعہ بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ایک روز آپ تبلیغ کے لئے جا رہے تھے کہ چند آدمیوں کی ٹولی نے آپ کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اور آپ تبلیغ میں مشغول رہے اتنے میں ایک شخص نے آپ کو دھکا دیا۔ خدا کی قدرت کہ اس ٹولی میں سے ایک شخص نے دھکا دینے والے کو وہیں پیٹا۔ شہید مرحوم تبلیغ کا کام ایک جوان مبلغ سے بڑھ کر کیا کرتے تھے۔ اور لوگ آپ کو

"پیر مرد دیوانہ است" کہتے تھے۔

سامان کی کمی

شہید مرحوم جس مکان میں رہتے تھے۔ وہاں ان کے پاس چند کتابیں اور بستر کے علاوہ کوئی سامان نہ تھا۔ تاہم بعض شریر لوگ چوری کی غرض سے آتے۔ اور جب موقع ملتا کوئی کتاب ہی اٹھا کر لے جاتے۔ آپ کی مالی حالت ایسی کمزور تھی کہ اس کی وجہ سے آپ کو سخت مشکلات کا سامنا رہتا۔ چونکہ یہ سرد علاقہ ہے اور سردی بھی یہاں شدت سے پڑتی ہے اور آپ کے پاس کافی گرم بستر بھی نہ تھا۔ اسلئے شام کو جب تبلیغ کر کے آپ واپس مکان کو تشریف لاتے تو راستہ سے کاغذ اٹھا کر لے آتے۔ اور رات ...

کو کاغذ جلا کر لحاف گرم کرتے۔ اسطرح سردیوں میں راتیں کاٹتے تھے۔ اور ماہ رمضان میں آپکے پاس جب کچھ نہ ہوتا تو چنے کھا کر روزہ رکھا کرتے تھے۔

تین رویا

شہزادہ صاحب کو یہاں کے مولویوں کے متعلق تین رویا دکھائے گئے۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بہت جلد ذلیل ہوں گے چنانچہ آجکل جتنی ان کی ذلت ہے وہ کسی کی نہیں۔ اعلیٰحضرت رضا شاہ پہلوی کے تخت نشین ہونے سے پیشتر اور دو سال بعد تک وہی مالک تھے۔ ہر ایک محلہ میں کئی ملانے تھے۔ جن کو کلی اختیار تھا کہ جس کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں۔ لیکن آجکل یہ حالت ہو گئی ہے کہ اول تو کوئی ملا ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک وہ سند پیش نہ کرے اور خاص خاص تعلیم یافتہ عالم مقرر کئے گئے ہیں۔ باقیوں کو مختلف دفاتر میں معمولی تنخواہ پر ملازم رکھ لیا گیا ہے۔ ان مولویوں میں سے اگر کوئی خلفاء راشدہ میں سے کسی خلیفہ کو گالیاں دیتا ہے تو محکمہ سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹ پر فوراً گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ اور پھر وہاں رہنے نہیں پاتا کسی دوسری جگہ قید کر کے بھجوا دیا جاتا ہے۔ تعلیمیافتہ طبقہ تو پہلے ہی ان کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ اب دوسرے لوگ بھی آہستہ آہستہ نکل رہے ہیں۔ اسطرح یہ میدان صاف ہو رہا ہے۔

وفات

شہزادہ صاحب ایک سال تک اس بالا خانہ پر رہے۔ پھر وہاں سے مکان تبدیل کر کے کاروان سرائے میں چلے گئے۔ شہید مرحوم نے اپنی وفات سے پہلے ایک رویا دیکھا کہ ایک سفید کاغذ ہے۔ آپکے ہاتھ پر سفید دستانہ چڑھا ہوا ہے۔ اور کچھ لکھ رہے ہیں۔ اور رخ دروازہ عبد العظیم کی طرف ہے (یہ دروازہ قبرستان کی طرف جانے والے راستہ کا ہے) اس رویا سے چند روز بعد آپ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون**

طہران میں جو احمدی ہیں ان میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے کہ تمام احباب کو اکٹھا کر سکے۔ میں نے محمد خان صاحب کو بہت تاکید کی تھی کہ سب سے پہلے یہ کام کیا جائے۔"

ان حالات اور مشکلات کے درمیان ہمارا یہ محترم بھائی مجاہد ایران اس مطالبہ کے جواب میں **خاک ایران** میں شہید ہو گیا۔ جو وہ **جماعت احمدیہ** سے **دجل فارس** کی متبع جماعت ہونے کی وجہ سے کر رہی تھی

شاہزادہ صاحب بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ کی وفات پر قدرتی طور پر حضرت **خلیفۃ المسیح** ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو سب سے زیادہ رنج ہوا۔ وہ رنج بشریت کے جذبات محبت کا نتیجہ تھا لیکن آپ جانتے تھے کہ **احمدیت کے لئے اس قسم کے دروازے اسی قسم کی قربانیوں سے کھلیں گے۔**

شاہزادہ صاحب کی وفات کے بعد اب تک ایران میں ان کا قائم مقام ہونے کے لئے دوسرا کوئی شخص منتخب نہیں ہوا۔ نہیں معلوم یہ **سعادت** کس بزرگ کے حصہ میں آنے والی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو یہ خواہش کرنی چاہیئے کہ **ہمیں اسکی توفیق ملے** — آمین۔

میں کیونکر احمدی ہوا؟

(حضرت خانصاحب ذوالفقار علی خانصاحب سابق ناظر اعلیٰ کی قلم سے)

ابتدائی حالات

یہ عاجز ذوالفقار علی خان ولد عبد العلی خان ۱۸۶۹ء اگست کے مہینہ میں رام پور (ریاست صوبہ یو۔ پی) میں پیدا ہوا۔ مجھ سے بڑے ایک بھائی تھے اور ایک بہن جو فوت ہو گئے۔ مجھ سے چھوٹے تین بھائی اور ایک بہن تھی۔ میرے بڑے بھائی کا نام بندہ علیخاں مجھ سے چھوٹے حافظ نوازش علی خان اور شوکت علیخان محمد علی خان تھے۔ میری بہن محمدی بیگم محمد علی خان سے بڑی تھی یہ مؤخر الذکر بھائی مولانا کے لقب سے ہندوستان اور بیرون ہند میں مشہور ہستیاں رہی ہیں۔ مولانا محمد علیخان کا انتقال ۳ر جنوری ۱۹۳۱ء کو بہ سلسلہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس لندن میں ہوا۔ اور ان کا جنازہ بڑی دھوم سے بیت المقدس لایا گیا۔ اور مسجد عمرؓ کے ایک حجرے میں وہ مدفون ہوئے میں نے ۱۸۸۶ء میں مڈل کا امتحان یونیورسٹی پاس کیا۔ مہاراجہ صاحب اندور حال کے دادا صاحب میرے والد کو عزیز رکھتے تھے۔ وہ غالباً ۱۸۸۴ء میں اپنے والد صاحب مہاراجہ تکوراؤ ہلکر کے ہمراہ بحیثیت ولی عہد رام پور تشریف لائے۔ نواب کلب علی خان صاحب کے زمانہ میں اکثر کام ریاست کے ہمارے خاندان کے سپرد تھے۔ مہمان نوازی بھی ہمارے خاندان کے سپرد تھی۔ میرے چچازاد بھائی عظمت علی خان صاحب عظمت فوج میں اس وقت کپتان تھے یعنے سیکنڈ ان کمانڈ پانچویں رسالہ کے تھے۔ وہ مہاراجہ صاحب ہلکر کی مہمان نوازی میں بہ نگرانی میرے چچا محمود علی خان صاحب جو کمانڈنگ افسر رسالہ ششم تھے خدمات انجام دیتے تھے۔ ان کے ذریعہ ولی عہد بہادر ہلکر کو معلوم ہوا۔ کہ میرے والد مرحوم و مغفور عبد العلی خان صاحب فوت ہو گئے ہیں۔

تعلیم کیلئے انگلستان کی تجویز

انہوں نے خواہش ظاہر کی۔ کہ بچوں میں سے جو یہاں آنے کے قابل ہو۔ میرے سامنے لایا جاوے چنانچہ میرے بڑے بھائی اور میں پیش کئے گئے۔ انہوں نے میرے متعلق اصرار کیا۔ کہ یہ بچہ میرے سپرد کر دو۔ میں اسے انگلستان تعلیم کے لئے بھیجونگا۔ میری والدہ صاحبہ نے یہ عذر پیش کرایا۔ کہ ابھی بہت بچہ ہے۔ اور زیر تعلیم بھی ہے۔ مڈل پاس کرنے پر بھیجدونگی۔ مہاراجہ صاحب کے ولی عہد اس پر رضامند ہو گئے ۱۸۸۷ء میں جوبلی کی شرکت کے لئے ولایت جا رہے تھے۔ میرے بہنوئی میجر یوسف علی خان صاحب کمانڈنگ افسر پائیگاہ رجمنٹ کو رام پور روانہ کیا۔ اور تاکید فرمائی۔ کہ اُسے جلد لیکر اندور آؤ۔ وہ یہاں آکر سارے خاندان کو لیجانے کا سامان کر رہے تھے۔ یعنے میری بہن کے ساتھ ہمارا سارا خاندان جانے والا تھا۔ اس میں کچھ عرصہ لگ گیا۔ اور جس روز ہم اندور پہنچے۔ اسی روز مہاراجہ صاحب بمبئی سے جہاز میں سوار ہو کر انگلستان تشریف لے گئے۔ ہم اندور میں غالباً اپریل ۱۸۸۷ء کے آخیر تاریخوں میں پہنچے تھے غالباً نومبر تک میں وہاں رہا۔ پھر ہم رامپور واپس آگئے مہاراجہ صاحب اب خود مسند نشین ہو کر انگلستان گئے تھے۔ ان کی واپسی پر ایسے اسباب نظر آئے۔ کہ مجھے ریاست میں سازشوں کے سبب سے نقل و حرکت پر ایک قید محسوس ہوئی۔ اس لئے میں اپنی والدہ صاحبہ اور دوسرے بہن بھائیوں کے ساتھ رام پور واپس آگیا۔ میری شادی اور میری بہن کی شادی ۱۸۸۶ء میں ہو چکی تھی۔ میرے چچازاد بھائی عظمت علی خان صاحب مرحوم جو مہاراجہ تکوراؤ بہادر کے ہمراہ اندور اول ہی میں چلے گئے تھے اور جن کے سبب سے ان کے دونوں چھوٹے بھائی حافظ احمد علی خان صاحب مرحوم (جنہوں نے مناظرہ رام پور میں مولوی ثناء اللہ کو بلایا تھا) اور یوسف علی خان صاحب مرحوم رسالہ میں اور پلٹن میں کپتان بھرتی ہو گئے تھے۔ اندور سے تنخواہ تو پاتے تھے۔ مگر رام پور واپس آگئے تھے۔ میری واپسی پر میری شعر گوئی کے ذوق کو دیکھ کر دیوان غالب مجھے پڑھایا کرتے تھے۔ اور بہت محبت کرتے تھے۔ کیونکہ ان کو میرے والد صاحب مرحوم اور والدہ صاحبہ سے انس مثل فرزند کے تھا۔ سو وہی مجھے ترغیب دیتے تھے۔ کہ "مڈل پاس بدحواس" کہلاؤ گے۔ بہتر ہے۔ کہ تعلیم کو جاری کرو۔ اور نوکری کا خیال چھوڑ دو۔ میں شروع سال ۱۸۸۸ء میں بریلی اسکول کو واپس ہو گیا۔ واپسی کے وجوہ میں اس کو بھی دخل تھا کہ میں

ملازمت کا ارادہ

نے ارادہ ملازمت رام پور اپنے والد صاحب مرحوم کے حقیقی دوست جناب صاحبزادہ جنرل محمد اعظم الدین خان صاحب مدار المہام ریاست کے سامنے بذریعہ ایک تحریر دستی پیش کیا۔ وہ زنانخانہ کو جا رہے تھے۔ اور میں دیوان خانہ کے ایک گوشہ میں دروازہ کے باہر منتظر تھا اندر جانے کی جرأت اس لئے نہیں تھی۔ کہ اور لوگ تھے اور مجھے یقین تھا۔ کہ وہ مجھے ملامت کرینگے۔ کیونکہ والد صاحب مرحوم کی وفات کے بعد انہوں نے ہی ہمراہ لیجا کر مجھے بریلی اسکول میں داخل کرایا تھا۔ اور اپنے بچوں کی طرح تربیت فرمایا کرتے تھے۔ میں نے جب کاغذ دیا۔ تو بڑی افسردگی سے فرمایا۔ کہ ہم تو تم کو کچھ اور بنا کر انگریزی ملازمت میں بھیجنا چاہتے تھے لیکن جیسے تمہاری مرضی تم خاص تحصیل میں مولوی گل صاحب تحصیلدار کے پاس ہمارا حکم لے جاؤ۔ اور کام سیکھو۔ منشی امیر احمد صاحب مینائی مرحوم کے صاحبزادہ منشی محمد احمد صاحب نائب تحصیلدار تھے۔ وہ کام سکھانے لگے۔ ۲۰ دن کے تجربہ نے بتایا کہ یہاں بھی سازش کا بازار چمکدار ہے۔ اور حرکات و سکنات پر نگاہیں لگی رہتی ہیں۔ آخر کار میں نے اپنے بھائی مرحوم کے کہنے اور سرزنش و ملامت سے ارادہ کر لیا۔ اور بریلی

اسکول میں نام لکھوانے گیا۔ ہمارے پرانے استاد پنڈت رام نرائن صاحب اسکول کی روح رواں تھے۔ فرمایا کہ نویں جماعت میں نام لکھا جائے گا۔ دسویں میں تم کو مڈل پاس کرنے کے بعد داخلہ کے لئے بلایا تھا۔ تم اندور چلے گئے۔ سال بھر پڑھنے سے ہٹے رہے۔ اب نویں میں داخل ہو سکتے ہو۔ نویں میں شوکت علی صاحب پڑھتے تھے۔ میں نے کہا۔ کہ میں اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ بیٹھکر نہیں پڑھ سکتا۔ اس لئے میں نے اپنے پرائیویٹ استاد مولوی سخاوت حسین صاحب بی۔ اے سیکنڈ ماسٹر فتحپور ہسوہ کو خط لکھا۔ کہ وہاں میٹرک کلاس نئی کھلی ہے۔ کیا مجھے لے سکتے ہیں۔ انہوں نے فوراً مجھے بلا لیا۔ اور میں دسویں میں تین دن امتحاناً بٹھایا گیا۔ ہیڈ ماسٹر انگریزی میں ٹامس ہسٹری آف انگلینڈ پڑھاتے تھے۔ کورس ہنوز مقرر نہیں ہوا تھا۔ میں سبق بہت جلد اور اچھا یاد کر لیتا تھا۔ اس کے تیسرے دن نام لکھ گیا۔ مولوی رضی الدین صاحب ہسوی فارسی کے استاد تھے۔ ہفتے میں دو مضمون لکھواتے تھے۔ عنوان مقرر کرکے دیدیا کرتے تھے۔ میرے مضامین باعتبار ادب وجامعیت ہمیشہ اول رہتے تھے۔ میں سنہ ۱۸۸۶ء سے اخبارات میں مضامین اور ناولوں کے ترجمے کیا کرتا تھا۔ یہ وہ مقام ہے۔ جہاں مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بابت پہلی بار علم ہوا۔ اور کیونکر ہوا۔ اس کی تفصیل میں یہاں کرتا ہوں۔ مگر دبی زبان سے۔ ہمارے استاد مولوی سخاوت حسین صاحب ہسوا نے محلہ میں ایک ایسے مکان میں رہتے تھے۔ جو ایک معمر طوائف کا تھا۔ وہ نکاح ایک حجام سے کر چکی تھی۔ فرانچی ضلع کے لڑکوں کو وہ پرائیویٹ طور پر معقول معاوضہ کی وجہ سے پڑھاتے تھے۔ اور ان کے پڑوس میں بھی ایک مکان تھا۔ جس کے اوپر ایک مختصر کمرہ ایک چھوٹا سا چھپر باورچیخانہ کا تھا۔ اور ایک پاخانہ تھا۔ اس وقت کے لئے تو وہ کافی تھا۔ مگر اب میرے لئے ممکن نہیں۔ کہ ایسی جگہ رہ سکوں۔ اس کے پاس ہی ایک اور پیشہ ور ناچنے والی کا مکان تھا۔ اس کی چھت ہمارے کمرہ کے ساتھ ملحق تھی۔ دن رات نیچے مکان سے اور بغل میں سے طبلے سارنگی کی آوازیں صبح وشام آتی رہتی تھیں۔ میرے ساتھ میرا چھوٹا بھائی حافظ نوازش علی خان مرحوم بھی کچھ عرصہ کے بعد رامپور سے آکر رہنے لگا۔ ہمارے استاد کا چھوٹا بھائی امیر حسن بھی ۱۶ سالہ نوعمر لڑکا تھا۔ میرے بھائی کا ہم عمر۔ ساتھ رہتا تھا۔ ہمارے اس بالاخانہ سے ٹھیک مشرق کی طرف ایک وکیل گنج بہاری لال صاحب رہا کرتے تھے۔ عالیشان مکان تھا

اخبار نسیم ہند کی ایڈیٹری

نیچے دکانیں تھیں جن میں ان کا پریس تھا۔ اور نسیم ہند اخبار نکلتا تھا۔ اوپر ان کے ایک عورت رہتی تھی۔ اور کچھ خادم۔ یہ عورت ہمارے مالک مکان کی لڑکی تھی۔ وکیل صاحب سے تعلق پیدا کرکے انہی کے گھر رہنے لگی۔ اور اپنے گھر سے تعلق ترک کر لیا۔ میں کمرہ سے نکلکر صحن میں شام کے وقت چھت پر مگدر ہلایا کرتا تھا۔ یا کبھی کبھی کرکٹ کھیلنے چلا جایا کرتا تھا۔ میرے سر پر پتنگ دو ایک بار گرائے گئے۔ جس پر عشقیہ اشعار تھے۔ دیکھنے پر معلوم ہوا۔ کہ پریس والے مکان کی چھت پر سے کسی نے گرائے ہیں۔ پھر میرا راستہ کرکٹ کو جانے کا اسی مکان کے سامنے تھا۔ میں فرانچی صاحب کے گھوڑے پر کبھی کبھی سوار ہو کر نکلتا تھا۔ گھوڑا بہت شوخ وطرار تھا۔ ان کے لڑکوں سے دوستانہ تھا۔ تو وہ میری سواری میں بھیجدیتے تھے۔ میں پھرا کر اس کی تیزی دھیمی کر دیتا تھا۔ میں دیکھتا تھا۔ کہ گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز کے ساتھ کوئی لب بام آکر اشارے کرتا ہے۔ مگر میری جرأت کبھی نہ پڑی۔ کہ اوپر کو غور سے دیکھوں۔ سڑک عام طور پر ہر وقت چلتی رہتی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد میں ایک روز ادھر سے پیدل گذر رہا تھا۔ تو میں نے پریس میں اخبار چھپتے دیکھا۔ میں نے ٹھہر کر پریس مین سے بات کی۔ اس نے اخبار دکھایا۔ جو بہت ہی بدحیثیت تھا۔ سطریں کی سطریں اڑی ہوئی تھیں۔ میں نے کہا۔ کہ بھائی ایسے اخبار میں کون مضامین لکھتا ہوگا۔ اس نے کہا۔ کہ صاحب میں خود ہی کاتب ہوں۔ خود ہی اخبارات میں سے کتر بیونت کرکے کچھ لکھ دیتا ہوں۔ خود ہی چھاپتا ہوں۔ اگر آپ مضمون دیں گے۔ تو میں نہایت اچھا کاغذ اور عمدہ چھپائی کے ساتھ اخبار مرتب کرونگا۔ میں نے کہا اچھا۔ اور اپنا پہلا مضمون "آمد بہار" جو اسکول میں لکھکر پیش کیا تھا۔ اسے دیدیا۔ اس نے حسب وعدہ بہت خوبصورت اچھے کاغذ اور عمدہ طباعت کا نمونہ دکھایا۔ ایک ہی مضمون میں ۸ صفحے پورے ہو گئے۔ لالہ گنج بہاری لال صاحب وکیل متصل ضلع کانپور میں وکالت کرتے تھے نامی وکیل تھے۔ ان کے دوست احباب ہی اخبار کے خریدار تھے۔ ہونگے کوئی سو سوا سو آدمی۔ اخبار بار روم میں جاتا تو کوئی کھولتا بھی نہ تھا۔ حقے بھرنے والے کوئلے غالباً اس سے سلگاتے تھے۔ یہ پرچہ نہایت صاف ستھرا خود میرا صحیح کیا ہوا میز پر کسی نے پڑا دیکھا۔ تو ظاہری تغیر غیر متوقع پر حیرت ہوئی۔ اخبار کھولکر ایک وکیل صاحب نے جو کہ اس وقت فارغ تھے۔ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس زمانہ کے اخبارات میں رنگینی عبارت اور جذبات عشقیہ کا حصہ زیادہ مرغوب تھا۔ اول سے آخر تک وہ پڑھ گئے پھر تو جو وکیل بار روم میں آتا۔ وہ اس سے اب کا پرچہ کھلواتے اور پڑھنے کی طرف راغب کرتے۔ گنج بہاری لال صاحب جب تھکے ہارے آئے۔ تو لوگوں نے کہنا شروع کیا۔ آہا۔ بیل بیاہا۔ آج تو آپ کا اخبار بھی اخباری حیثیت لیکر شائع ہوا ہے۔ انہوں نے بھی دیکھا۔ اور اگلے سنیچر جب فتحپور اپنے گھر آئے۔ تو پریسمین سے پہلا سوال یہ کیا۔ کہ "یہ گوہر" کون صاحب ہیں۔ اس نے مجھے بتا دیا۔ وہ قریب تو رہتے تھے۔ گاڑی سے اتر کر مغرب کے آخر وقت سڑک پر آئے۔ اور مالک مکان کے چھوٹے لڑکے کے ہاتھ ایک پرچہ بھیجا۔ "آپ کا مشتاق زیارت گنج بہاری لال"۔ میں نے بچہ سے کہا۔ کہ یہ غریب طلباء کا مسکن ہے۔ نہ کوئی حاجب نہ دربان شوق سے اندر آئیں اور ہمیں عزت بخشیں۔ دوسرا پرچہ بھیجا۔ کہ اس مکان کا داخلہ میرے لئے خطرناک ہے۔ مالکہ فوراً کوئی فوجداری کا دعوےٰ کر دے گی۔ مجھ سے عداوت کی وجہ غالباً آپ کے علم میں ہوگی۔ مجھے اس کی معقولیت نے مجبور کیا۔ اور نیچے اتر کر سڑک پر ان سے ملا۔ اور باادب سلام کرکے کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے مضمون کی تعریف وشکریہ ادا کرتے ہوئے بڑی لجاجت سے کہا۔ کہ جب تک آپ ہیں۔ اس پرچہ کو سنبھال لیں۔ میں نے اپنی طالب علمی کا ذکر کرتے ہوئے ذمہ داری لینے سے پیچھا چھڑانا چاہا۔ مگر وہ بےطرح لجاجت کرنے لگے۔ مجھے اپنے انکار سے شرم آنے لگی۔ اور میں نے جواباً کہا کہ آپ پریسمین سے کہہ دیجئے۔ کہ جو اخبارات آپ کے دفتر میں آئیں میرے پاس لے آیا کرے۔ میں اقتباسات۔ اخبار۔ مضامین مرتب کرکے اسے اتوار کے دن دیدیا کرونگا۔ اگلے روز صبح اتوار تھی۔ وہ اخبارات لیکر صبح ہی پہونچ گیا۔ ہمارے استاد پڑھانے گئے تھے۔ ہم تینوں اتوار منا رہے تھے۔ اور کہیں باہر جانے کا تہیہ درپیش تھا۔ ابتدا کی زنجیر گلے پڑ گئی۔ آخر گلے پڑے ڈھول کو بجانا ہی پڑا۔ مگر جو آواز نکلی۔ وہ عجیب وغریب تھی۔ جس نے جسموں پر لرزہ پیدا کر دیا جس میں بہشتی ترنم تھا۔ پہلا اخبار جو ہاتھ میں لیا۔

ریاض الاخبار

ریاض الاخبار گورکھپور تھا۔ تو حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا خط بنام الیگزنڈر رسل ویب سفیر امریکہ مقیم فلپائن تھا۔ میں نے باآواز بلند خط پڑھنا شروع کیا۔ اور اس کے تسخیر کرنے والے دل پر چوٹ لگانے والے مضامین نے مبہوت ومحو کر لیا۔ ہم تینوں نوعمر میں ۱۹ سال اور باقی دو ۱۶ و ۱۷ سال کے نقش حیرت بنے ہوئے تھے۔ مضمون کے ختم ہونے پر کچھ دیر سکون رہا۔ آخرکار میں نے کہا۔ "بھائیو! تم دونوں گواہ رہنا میں تصدیق کرتا ہوں۔ کہ یہ شخص مصلح زمانہ آخر ہے۔ اب نہ کوئی مہدی آنے والا ہے۔ نہ مسیح۔ سید احمد خان بھی مصلح نہیں ہیں۔ میں مرجاؤں۔ تو تم گواہ رہنا۔" میں نے اخبار کے لئے مضامین کچھ یونہی بیدلی سے مرتب کر دیئے۔ اپنا مضمون بھی غالباً دیا۔ نوٹ بھی دیدیئے لیکن میں غور میں پڑ گیا۔ مجھے واقعات کا تسلسل دیکھکر حیرت ہوئی۔ کہ کس طرح کشاں کشاں میں اس مکان کی طرف گیا جہاں پر بغیر عذر کھڑا ہونا میرے لئے سخت ندامت کا باعث تھا۔ میں نے پریسمین کی آڑ پکڑی۔ اس نے مجھے اوپر نظر اٹھانے کی مہلت نہ دی۔ میں لوٹ آیا۔ اور مجھے اللہ تعالےٰ کے فضل نے آسمان کی طرف کھینچ لیا۔ اپنی نوعمری اور اس روشنی اور نور کی عظمت کا خیال کرکے میں خدا کی رحمت کو دیکھتا تھا۔ اور بے اختیار زبان پر یہ مصرع آجاتا۔ "کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے"۔ یہ زمانہ گذر گیا۔ میں پاس ہو کر رامپور چلا آیا۔ اور جون ۱۸۸۹ء میں علی گڑھ چلا گیا۔ سرسید کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر باش طلباء میں میں بھی شامل تھا۔ کالج کے متعلق اکثر نظمیں لکھیں۔ ملک الشعراء کالج کا خطاب ملا گلے میں ہار ڈالے گئے۔ اینٹی نیشنل کانگریس میں لیکچر دیئے پنڈت مدن موہن مالوی صاحب نے ۱۸۸۸ء میں کانگریس کی تائید میں اپنا پہلا لیکچر باہر نکلکر غالباً فتحپور ہی میں دیا تھا۔ اگلے دن میں نے مسلمانوں کو جمع کرکے ان کے خلاف آواز اٹھائی اور کہا۔ کہ یہ ہندو کانگریس ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام علی گڑھ میں

علی گڑھ کالج میں ۱۸۹۱ء میں میں ایک بار شام کے وقت اپنے وطن کے ایک عربی کے استاد سے جو اسکول میں پڑھاتے تھے۔ اور بورڈنگ میں رہتے تھے۔ مولوی خلیل احمد صاحب نام تھا۔ ملنے گیا۔ وہ اور مولوی اسمٰعیل

علی گڑھی کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ کہ مرزا غلام احمد صاحب آ گئے اور یہ ہوا۔ اور وہ ہوا۔ میں نے بات کاٹ کر پوچھا۔ کہ پہلے مجھے یہ بتا دیجئے۔ کہ حضرت مرزا صاحب ہیں کہ تشریف لے گئے۔ مولوی اسمٰعیل متحیر ہو کر میری صورت دیکھنے لگا۔ میں نے کہا۔ کہ مولوی صاحب جواب تو دیجئے تاکہ میں اپنے کام میں معروف ہوں۔ آپ اپنا کام کریں میرے لہجہ میں وہ تحکم تھا۔ جو کالج کے طلبا اسکول کے استادوں کے ساتھ جائز سمجھتے تھے۔ اور چونکہ اس کی تقریر میں گستاخی تھی۔ حضرت کی شان میں مشتعل ہو چکا تھا اس نے گھبرا کر کہا۔ کہ وہ آج چلے گئے۔ مجھے اس قدر صدمہ ہوا۔ کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا۔ وائے شومیٔ تقدیر اور آگے کو چل کھڑا ہوا۔ اس روز سے میں نے ان سے کبھی بات نہ کی۔ کالج سے نکل کر ملازمت کی فکر دامنگیر ہوئی۔ اٹاوہ گیا۔ اور کالج کا رنگ لیکر گیا لیکچروں نظموں اور کھیل و تفریح میں ایام گذاری کی۔ مولوی بشیر الدین صاحب مالک و ایڈیٹر "البشیر" اٹاوہ کے مکان میں ایک ضرورتِ خاص سے کچھ دن قیام پذیر رہا۔

حضرت تفضل حسین صاحب رضی اللہ عنہ سے ملاقات

ایک سادہ مزاج الشان لباس صاف مگر سادہ سانولا رنگ۔ چھریرہ جسم متین چہرہ تشریف لائے۔ ایڈیٹر صاحب "البشیر" نے مجھ سے ان کا تعارف مستہزانہ لب و لہجہ میں کرایا "آپ قادیانی ہیں تفضل حسین صاحب شکوہ آباد ضلع مین پوری میں تحصیلدار ہیں"۔ میں پہلے تو معمولی طریق سے کھڑے ہو کر مصافحہ کر کے خاموش بے تعلق سا بیٹھ گیا تھا مگر اس تعارف کے بعد میں کھڑا ہوا۔ اور پھر نہایت ادب سے مصافحہ کیا۔ اور عرض کیا "حضرت مرزا صاحب کا احترام میرے دل میں بہت کافی ہے۔ عین سعادت ہے۔ کہ آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔ ایڈیٹر صاحب کا چہرہ حیرت کی تصویر تھا۔ منہ کھلا ہوا اور لب خشک۔ مجھے گھبرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کی حیرت کی وجہ یہ تھی۔ کہ میں اس شہر میں بہترین خوش تقریر اور حاضر جواب۔ شوخ طبیعت مشہور تھا۔ وہ یقین رکھتے تھے۔ کہ میں اس معاملہ میں بہت ستم ظریفی سے کام لونگا۔ اور حضور اقدس کی شان میں خدا جانے کیا کیا نہ کہونگا۔ اب جو برعکس معاملہ ہوا۔ تو وہ کھو گئے۔ اور اس قدر ہمت نہ تھی۔ کہ مجھ سے بحث کرتے۔ مولوی تفضل حسین صاحب مرحوم و مغفور رضی اللہ عنہ حضرت کے بہت پرانے صحابی تھے۔ اور ان کا عشق سلسلہ کے ساتھ مجنونانہ رنگ رکھتا تھا۔ حضرت اقدس علی گڑھ ان کی وجہ سے تشریف فرما ہوئے تھے جو اس زمانہ میں کم نظر آتا ہے۔ بہت ہی محبت سے مجھ سے ملے۔ اور فرمایا۔ میرا گھر اسی شہر میں ہے۔ کوئی شے درکار ہو۔ تو منگوا لیا کرنا۔ وقت گذر گیا۔ پھر ان سے ملاقات عرصہ تک نہ ہو سکی۔

دوبارہ ملاقات

سنہ ۱۹۰۰ء میں اکتوبر میں تار پر حکم پہنچنے پر بھونگاؤں تحصیل میں نائب تحصیلدار ہو کر تین ماہ کے لئے گیا۔ تحصیلدار مولوی تفضل حسین صاحب تھے۔ ہم دونوں کو جو خوشی حاصل ہوئی وہ ہر احمدی اندازہ کر سکتا ہے۔ تحصیل بہت بڑی تھی۔ بارہ تحصیلوں سے حدود ملتے۔ تین سال میں ۶ ماہ کے لئے دو تحصیلدار دو نائب تحصیلدار رہتے تھے۔ اب صرف ہم دو تھے ان کے پاس مقدمات کی یہ کثرت تھی۔ کہ ساٹھ ساٹھ فیصلے روزانہ لکھ کر سنا دیتے تھے۔ تحصیل کا سارا کام مجھ پر چھوڑ دیا تھا۔ میں نے خدا کے فضل سے تین ماہ میں مالگذاری بے باق کرا دی۔ اور تمام حلقے کا معائنہ کر کے ان کو درست کر دیا۔ رشوت کا بازار سرد پڑ گیا۔ حاکم پرگنہ ایک ٹھاکر تھے ان کو اس رقبہ کی روزانہ خبریں پہونچتی تھیں۔ کیونکہ بڑا حصہ راجپوتوں کی زمینداری کا تھا۔ میرے بہت مداح تھے۔ میری مدت نومبر کے آخیر میں ختم ہونی تھی۔ مگر تحصیل میں چارج لیتے ہی بعد وقت کچہری تحصیلدار صاحب مرحوم نے ازالہ اوہام مجھے دیا۔ اور کہا۔ کہ ہمیں پڑھ کر سناؤ۔ میں ان کے مردانہ نشست میں رہتا تھا۔ کیونکہ تنہا تھا۔ میرے لئے جو مکان تھا۔ اُسے میں نے استعمال نہیں کیا۔ ازالہ اوہام دو تین دن میں ختم کر دی۔ یہ پہلی تصنیف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی۔ جو میری نظر سے گذری۔ دعوے مثیل مسیح ابن مریم پر اسی ریاض الاخبار نے سنہ ۱۸۹۱ء میں اعتراض کیا تھا۔ میرے دل میں الجھن تھی کہ کسی سے پوچھوں۔ مگر زمانہ نو عمری کا تھا۔ طالب علمی کی حیثیت۔ یو۔ پی میں کوئی ذکر و فکر بھی نہ تھا۔ کسی ملاقات میں میں نے ایک مرتبہ مولوی تفضل حسین صاحب رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا۔ انہوں نے سورۂ مزمل کی آیت کریمہ کما ارسلنا الی فرعون رسولاً۔ دلیل پیش کی۔ جرح پر وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ بلکہ کچھ جھینپ ہو گئے۔ مجھے یہ خلش تھی۔ ازالہ اوہام کے مطالعہ نے تسکین کر دی۔ اور بیعت کا سوال دل میں فوراً پیدا ہو گیا۔ میں نے استخارہ کیا۔ میرے دل میں پڑا۔ کہ ان آیات کو خود قرآن پاک میں غور سے پڑھوں۔ یہ پہلا موقعہ تھا۔ کہ میں نے شاہ عبد القادر کا مترجم قرآن شریف لیکر بڑی غور و خوض سے پڑھنا شروع کیا۔ اور چند روز میں سورۂ مائدہ کے ختم ہونے تک پوری تسلی ہو گئی۔ پھر میں نے ایک خط مزید احتیاط کے طور پر نظام الدین حسن صاحب شیخ بریلوی کی خدمت میں پہلی عقیدت خاندان چشتیہ کی بنا پر لکھا۔ اور استدعا کی۔ کہ آپ کو میں صاحب کشف سمجھتا ہوں۔ آپ حضرت رسول کریم صلعم سے حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کی تصدیق فرما کر اعلان کر دیں۔ اور مجھے مطلع فرما دیں۔ کیونکہ حضرت اقدس کے استدلال کے آگے ٹھہرنا تعلیم یافتہ بے تعصب لوگوں کا محال سا نظر آتا ہے اگر دعوے صحیح ہے۔ تو ایسی نعمت عظمیٰ سے محرومی مسلمانان عالم کو کیوں نصیب ہو۔ اگر خدانخواستہ دعوے غلط ہو تو ہم لوگوں کو بچنا چاہیئے۔ وہ جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی ایسی طاقت نہیں ہے۔ کہ میں مرزا صاحب کے دعاوی کا بطلان کروں۔ عند العقل بعض بعض باتیں قرآن کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ میں تکذیب و ابطال نہیں کر سکتا۔ میرے پاس یہ خط محفوظ تھا۔ اور شائد اب بھی ہو۔ یہی الفاظ تقریباً ہیں۔ پس میرے فیصلے پر کوئی اثر نہ پڑا۔ اب میں نے قصبہ بھونگاؤں میں تبلیغ شروع کر دی۔ شرفائے قصبہ کہنے لگے۔ کہ تحصیلدار صاحب کے ماتحت لوگ محض ان کے خوش رکھنے کے لئے عقیدت بدل لیتے ہیں بعد میں پھر ویسے ہی ہو جاتے ہیں۔ اور ایک حکیم صاحب کی نظیر بھی پیش کی۔ جو اٹاوہ کے تھے۔ اور بعد میں فرخ آباد جا کر سلسلہ کے مخالف ہو گئے۔ میں نے اس کے جواب مناسب دیئے۔ لیکن میں نے ایسے محسوس کیا۔ کہ یہ اعتراض پر جواب ہے۔ استدلال کا جواب وہ کبھی نہ دے سکے۔ بعض لوگ متاثر تھے۔ اس زمانہ کی نماز کی لذتیں آج تک یاد ہیں۔ دل چاہتا تھا۔ کہ ایک ایک گھنٹہ کا سجدہ کریں۔ نماز کی بابت ہنوز علیحدگی کا حکم نہ تھا۔ اس لئے جلد باز اماموں کے پیچھے نماز پڑھنے سے کوفت ہوتی تھی۔ سوائے جمعہ کے اور کوئی نماز ان کے پیچھے پڑھنا چھوڑ دی تھی۔ ایک دن تحصیلدار صاحب مرحوم و مغفور نے فرمایا۔ کہ بیعت کا خط کیوں نہیں بھیجدیتے ہو۔ میں نے کہا۔ کہ میں تو بیعت کر چکا ہوں۔ مبلغ بنا ہوا ہوں۔ رسمی خط ابھی نہیں بھیجا ہے کسی مصلحت سے۔ فرمایا۔ یہ تو نفاق ہے۔ مجھے اس لفظ سے بہت تکلیف ہوئی میں نے کہا۔ کہ آپ اپنے عہدہ سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں میری حالت کو نفاق سے اگر کوئی دوسرا تعبیر کرتا۔ تو بہت سخت جواب پاتا۔ یہ کہکر میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اپنا اسباب ان کی مردانہ نشست سے اٹھا کر اپنے مکان میں رکھ لیا۔ دوسرے دن صبح ہی کو انہوں نے معذرت کا پرچہ لکھا۔ اور معافی کی خواہش کی۔ میں نے ان کے محسن ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے ادب و احترام سابق کو پیش کیا۔ وہ میرے پاس فوراً آ گئے۔ اور زبانی عذر کرنے لگے۔ میں نے وجہ عدم تحریر خط بیعت ہنوز ان سے مخفی رکھی۔ جب آخر نومبر میں مدت قائم مقامی ختم ہو گئی۔ میں نے اسی شب میں کہ صبح اس تحصیل کو چھوڑ رہا تھا۔ ایک چو ورقہ خط اپنے مفصل حال کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لکھا۔ اور عرض کیا۔ کہ میرا ایمان ہے۔ کہ حضور کا دعوے برحق اور صحیح ہے۔ میں ایسا ایسا گندہ دل اور بد افعال ہوں۔ اور قوت توبۃ النصوح بھی نہیں رکھتا۔ مجھے ڈر ہے۔ کہ سلسلہ میں شامل ہو کر لوگوں کی ٹھوکر کا موجب نہ بنوں۔ حضور مجھے سنبھال لیں تو دل و جان سے حاضر ہوں۔ شرف بیعت بخشا جاوے حضور اقدس علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام نے قبولیت بیعت کا اظہار فرمایا۔ اور استغفار۔ لاحول ولاقوۃ درود شریف اور الحمد شریف کثرت سے پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ اور لکھا۔ کہ اللہ تعالےٰ آپ کے ساتھ ہو۔ یہ خط لکھکر مولوی صاحب مرحوم کو جو ۷ میل کے فاصلہ پر مصروف تحقیقات سرکاری تھے۔ دیدیا۔ اور عرض کیا کہ اس نے بیعت کو بدنام ہونے سے بچانا تھا۔ حضرت کے اس آخری جملے کی بدولت صدہا نشان اس گنہگار نے معیت ایزدی کے دیکھے ہیں۔ جو خود افسانہ کا حکم رکھتے ہیں۔ اور اب تک دن رات دیکھتا ہوں۔

بیعت اور حضور کی زیارت

یہ بیعت کا پروانہ آغاز دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء میں ملا تھا۔ سنہ ۱۹۰۴ء میں گورداسپور دوران مقدمہ کرم دین میں حضور علیہ السلام کی دست بوسی اور زیارت نصیب ہوئی۔ ۲۴ روز حضور کے دربار میں حاضر رہا۔ کئی درخواستوں کے مسترد ہونے پر جون سنہ ۱۹۰۵ء کو ہمراہی مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب بٹالہ ریل کے ذریعہ قادیان شریف دار الامان حقیقی کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ ہے میری بیعت کی ابتدا۔ اللہ اللہ۔ مڈل سکول چھوڑ کر روانگی کہ انگلستان جانا ہے۔ واپسی پر رام پور کی امیدواری

پھر یہاں سے بیزاری۔ پھر تعلیم جاری رکھنے کے لئے بریلی جانا وہاں سے ناکامی پر فتحپور ہسوہ پہونچنا۔ کس طرح پریس میں جانا۔ اور اخبارات کا مطالعہ پر مجبور ہونا۔ اور پہلے ہی اخبار کے پہلے ہی مضمون کا تیر دل پر پڑنا۔ اور ارادہ الٰہی کے ماتحت شکار ہوجانا۔ پھر کشاں کشاں بھونگاؤں پہنچنا اور ایک صحابی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے دعاوی کا صحیح علم و استدلال پاکر بیعت کا شرف حاصل کرنا۔ یہ سب ایک عجیب ڈرامہ سا معلوم ہوتا ہے زمانہ میرٹھ کے قیام میں قادیان شریف حاضر ہونے کا اکثر شرف حاصل ہوا تھا۔ اس لئے میرا تجربہ ہے۔ کہ میرٹھ کے قیام میں خواہ وہ ایک ہی دن کا ہو۔ میری روحانیت پر بڑا اچھا اثر ہوتا ہے۔ سوز و گداز معًا پیدا ہوجاتا ہے۔ میں نے اس لئے طوالت کے ساتھ یہ حالات قلمبند کردیئے ہیں کہ ان جملہ واقعات سے ارادہ الٰہی کی تکمیل کا پتہ لگ جائے جن حالات میں سے میں ۱۸۸۸ء کے بعد گذرا۔ وہ ہرگز اس لائق نہ تھے۔ کہ مجھے احمدیت کے قبول کرنے کی اجازت دیتے۔ انگلستان کی تعلیم خدا جانے کیا رنگ پیدا کرتی۔ اندور کی ملازمت میں کوئی صورت علم ہونے کی ہی نہ تھی۔ پھر رامپور میں ایسے ہنگامے ہوئے۔ کہ اگر ملازمت جاری رکھتا۔ تو نہ صرف یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم ہی نہ ہوتا۔ اور ہوتا بھی تو یہاں کی صحبت مجالس ایسے نیک اثر کی سخت ترین قاتل ثابت ہوتیں۔ میرے لئے مقدر تھا۔ کہ فتحپور جاؤں۔ اور فتح مبین کے بادشاہ کی عاجز رعیت بنکر اس کی یاد میں اپنے گناہوں کے طومار کو رو رو کر دھوتا رہوں۔ اللھم صل علی محمد و علی بروز محمد عبدک المسیح الموعود المھدی المعھود بارک وسلم و علی آلھما و ازواجھما و اصحابھما اجمعین

(عاجز غلام حضرت احمد ہے ذو الفقار علی)

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے

فرمایا:۔

"یہ کتاب ہر احمدی کے پاس ہونی چاہئے۔ اور کون احمدی ہے جو اس کی خواہش نہ رکھتا ہو"

اگر شیخ صاحب کی زندگی میں یہ کام نہ ہوا تو پھر

دس کروڑ روپیہ

صرف کرکے بھی اس کو پورا نہ کرسکینگے"

آپ نے جماعت کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"وہ اس سٹاک کو جو موجود ہے خرید لیں تاکہ کام برابر جاری رہ سکے"

یاد حبیب کو تازہ رکھنے کیلئے اس کے کلام و حالات کو پڑھو!

یاد حبیب کو تازہ رکھنے کے لئے کونوا مع الصادقین کے ارشاد پر عمل کرکے اس کے روحانی فوائد حاصل کرنے کے لئے ایک عجیب نسخہ یہ بھی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات زندگی پڑھو! ان حالات زندگی سے معلوم ہوگا۔ کہ آپ کس خاندان میں پیدا ہوئے۔ اور آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت کن حالات میں ہوئی۔ آپ کے مشاغل زندگی کیا تھے۔ آپ کی سوانحعمری کے دو حصے اس قسم کے مضامین پر مشتمل شائع ہوچکے ہیں۔ اور

حیات النبی

کے نام سے موسوم ہیں۔ قیمت ہر دو جلد صرف...... عہ

حیات احمدؑ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوانح حیات کو خاکسار شائع کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں حضور کی چوبیس سالہ زندگی کے دوسرے دور یعنی ۱۸۷۹ء سے ۱۸۸۹ء تک کے حالات شائع ہو رہے ہیں۔ چونکہ تالیف ضخیم ہوگی۔ اس لئے سو سو صفحہ کے حصص میں شائع ہو رہی ہے۔ جس کا پہلا نمبر گذشتہ سال شائع ہوا تھا اب دوسرا نمبر ۱۸۸۳ء کے حالات میں شائع ہوگیا ہے حسب معمول اس کی قیمت بھی ایک روپیہ ہے۔ اگر احباب چاہتے ہیں۔ کہ جلد یہ تالیف مکمل ہو۔ تو اس کے لئے کم از کم پانچسو ایسے خریدار تیار ہوجاویں۔ جو چھپنے پر فورًا خرید لیا کریں۔

سیرت مسیح موعودؑ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شمائل و اخلاق سوانح زندگی کے ساتھ جو چیز خدا تعالےٰ کے ماموروں کے ذریعہ حیرت انگیز تبدیلی انسانی قلوب میں کرتی ہے۔ وہ ان کے اخلاقی معجزات ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ دنیا کے لئے نمونہ ہوکر آتے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت اور آپ کے کیریکٹر کی اعلیٰ شان حاصل کریں۔ تو سیرت مسیح موعود کا مطالعہ ضروری ہے۔ جس میں حضرت کے شمائل و عادات و معمولات اور آپ کے اخلاق فاضلہ کا بیان واقعات کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

یہ کتاب دوستوں کو ارمغان دینے کے قابل ہے۔ اور سعادت مند اور شریف الطبع جماعت کے افراد میں تبلیغ کا خدا چاہے۔ تو بہترین ذریعہ ہوسکتی ہے قیمت فی جلد عہ مکمل سٹ کی قیمت دفتر سے دریافت فرمایئے

مکتوبات احمدیہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو مکتوبات اپنی زندگی میں مختلف مذاہب کے لیڈروں اور مبلغین کو لکھے۔ اور اپنے مخالفین اور دوستوں کو وقتًا فوقتًا تحریر فرمائے۔ وہ اس وقت تک چھ جلدوں میں شائع ہوچکے ہیں۔ اور چار جلدیں اس سلسلہ کی اور باقی ہیں۔

یہ خطوط جو دوستوں کو لکھے ہیں۔ اپنے اندر ایک زندگی۔ روح۔ اور قوت رکھتے ہیں۔ نہایت بیش قیمت مضامین پر مشتمل ہیں۔ تصوف کی حقیقت اور قرب الٰہی کے حصول کے اصول کے سادہ اور آسان طریق۔ غرض عجیب عجیب مضامین پر بحث ہے۔ خدا تعالےٰ پر زندہ ایمان۔ اور دعاؤں کی قبولیت کے راز اور دعاؤں کے اثر و قوتِ اعجاز کا ایک لطیف بیان ان میں ملے گا۔

اور جو خطوط مخالفین اسلام اور سلسلہ کو لکھے ہیں ان میں صداقت کے زبردست دلائل۔ قرآن مجید اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اعجازی قوت جلالی و جمالی شان کا اظہار پر شوکت الفاظ میں کیا گیا ہے۔ غرض یہ مجموعہ قابل دید ہے۔ ہر جلد کی قیمت جو کچھ بھی نہیں۔ صرف ایک روپیہ ہے۔

مشاہدات عرفانی

یعنے

ایڈیٹر الحکم کا سفرنامہ یورپ و بلاد اسلامیہ

یہ سفرنامہ بالکل نئی طرز کا لکھا گیا ہے۔ اس سفرنامہ کے پڑھنے سے ملکی اور قومی ترقی کے سربستہ اسرار اور قوموں کے عروج و زوال کا پتہ لگے گا۔ کہ قعر مذلت نکل کر بام رفعت پر کیونکر پہنچ سکتے ہیں

مسلمانوں کو قومی زندگی اور ملی روح پیدا کرنے کے لئے اس سفرنامہ کا پڑھنا نہایت ضروری ہے۔

قیمت جلد اول صرف دو روپے علاوہ محصول ڈاک۔

لیکن

الحکم بکڈپو نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ پہلے سو خریداروں سے بجائے دو روپے کے صرف ایک روپیہ آٹھ آنے لئے جاویں۔ احباب جلد آرڈر دیکر فائدہ حاصل کریں۔

الحکم بکڈپو قادیان دارالامان

(اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ محمود احمد عرفانی طابع و ناشر چھپا۔ اور الحکم آفس واقعہ تراب منزل الحکم سٹریٹ قادیان سے شائع ہوا)